ماہنامہ
المشرق
چکوال

تصوّف کیا ہے؟

لُغت کے اِعتبار سے تصوّف کی اصل خواہ صوف ہو اور حقیقت کے اِعتبار سے اس کا رشتہ چاہے صفا سے جا ملے، اِس میں شک نہیں کہ یہ دِین کا ایک اہم شعبہ ہے جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النّیّت پر ہے اور جس کی غایت تعلق مع اللہ اور حصُولِ رضائے اِلٰہی ہے۔ قرآن و حدیث کے مطالعے، نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوۂ حسنہ اور آثارِ صحابہؓ سے اس حقیقت کا ثبوت مِلتا ہے۔

(دلائِل السُّلوک)

بنیاد: حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ

جلد: ۱۰ شمارہ: ۹

سرپرست
حضرت مولانا محمد اکرم اعوان
مدظلہ العالی

ماہنامہ
المرشد

دار العرفان
منارہ
ضلع چکوال

ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ جولائی ۱۹۸۹ء

مدیر مسئول
پروفیسر حافظ عبدالرزاق
ایم اے (اسلامیات)، ایم اے (عربی)

مدیر
تاج رحیم

فہرست

ادار یہ		
قربانی	حضرت مولانا محمد اکرم اعوان	۳
ولی اللہ کون ؟	حضرت مولانا محمد اکرم اعوان	۹
فضائل ذکر	محمد سعید اللہ	۱۸
ہمیں کس کے ساتھ چلنا ہے ؟	حضرت مولانا محمد اکرم اعوان	۲۱
چترال کے ویران مساجد	عنایت اللہ فیضی	۲۷
دل بدل جائیں تو ؟	حضرت مولانا محمد اکرم اعوان	۳۰
اختلافی مسائل	ظفر احمد قریشی	۳۵
ایمان اور تقویٰ	حضرت مولانا محمد اکرم اعوان	۳۷
یادِ منارہ	احمد فواز	۴۱
حرفِ شکایت	تاج رحیم	۴۲
ہر مصیبت میں اللہ کو یاد کرو	حضرت مولانا محمد اکرم اعوان	۴۴

بدلِ اشتراک

فی پرچہ	۱۰ روپے
چندہ سالانہ	۱۰۰ روپے
ششماہی	۵۵ روپے
تاحیات	۷۰۰ روپے
سری لنکا، بھارت، بنگلہ دیش	۲۰۰ روپے
سعودی عرب متحدہ عرب امارات اور مشرق وسطیٰ کے ممالک	۵۰ سعودی ریال
تاحیات	۳۰۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپی ممالک	۱۰ سٹرلنگ پونڈ
تاحیات	۵۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ اور کینیڈا	۲۰ امریکن ڈالر
تاحیات	۱۰۰ امریکن ڈالر

سول ایجنٹ:
اویسیہ کتب خانہ
الوہاب مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

طابع و ناشر: حافظ عبدالرزاق ○ مطبوعہ: لاہور ○ مقامِ اشاعت: دار العرفان، منارہ، ضلع چکوال

اداریہ

لبیک اللھم لبیک

چودہ سو سال پہلے یہ آواز دنیا کی عظیم ترین ہستی کے مبارک لبوں پر عرب کے صحرا میں گونجی تھی۔ اور آج تک ہر سال دنیا کے ہر گوشے سے مسلمانوں کی زبان اس آواز کو لیکر اسی صحرا کے اس شہر میں جمع ہوتے ہیں۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولادت پائی جہاں ان کو نبوت عطا ہوئی۔ جہاں سب سے پہلے اسلام قبول کرنیوالے کو کلمہ پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اسی شہر میں مسلمانوں پر ہر طرح کے ظلم ڈھائے گئے۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمیت مسلمانوں کو وہ شہر چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی، اسی شہر پر اسلام کو فتح نصیب ہوئی، اسی شہر میں وہ مقام جو کبھی بتوں سے اٹا پڑا تھا صاف اور پاک کیا گیا اور اللہ کریم نے اُسے مسلمانوں کا کعبہ ٹھہرایا اور پھر مسلمانوں پر اس کا حج فرض کر دیا گیا۔

حج فرض ہونے کے بعد ہجرت کے دسویں سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پہلا اور آخری حج ادا کیا۔ آپؐ نے اس موقعہ پر جو خطبہ فرمایا وہ مسلمانوں کی رہنمائی کیلئے آجتک روشن مینار کا کام دیتا رہا ہے اور روز قیامت تک دیتا رہیگا۔ اس خطبے میں آپؐ نے جاہلیت کی تمام فرسودہ رسموں اور بیہودہ دستوروں کے خاتمے کا اعلان کیا اور فرمایا!

- تمہارا پروردگار ایک ہے کسی کو کسی دوسرے پر برتری حاصل نہیں، نہ عربی کو عجمی پر نہ عجمی کو عربی پر نہ گورے کو کالے پر، نہ کالے کو گورے پر، تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں۔ فضیلت و برتری کے تمام دعوے باطل ہو چکے ہیں۔ بزرگی و فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے
- دیکھو! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں کشت و خون کرنے لگ جاؤ۔
- لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔
- میں جاہلیت کے تمام خون و مال اور انتقام کے مطالبے مٹا رہا ہوں اور سب سے پہلے اپنے خاندان میں سے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔
- اپنے ملازموں کا خیال رکھو، جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ جو خود پہنو انہیں پہناؤ۔
- جاہلیت کے تمام سود باطل قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے ہی خاندان میں سے عباس بن عبد المطلب کا سود ختم کرتا ہوں۔
- عورتوں سے بہتر سلوک کرو۔ تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں، اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔
- اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق خود دیدیا۔ اب کوئی کسی وارث کے حق میں وصیت نہ کرے۔
- میں تمہارے لیے وہ چیز چھوڑ چلا ہوں جسے مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ یہ اللہ کی کتاب (قرآن پاک) ہے۔
- دیکھو! دینی معاملات میں جھوٹ سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انہی باتوں کے سبب تباہ و برباد کر دیئے گئے۔
- شیطان سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا۔
- اپنے رب کی عبادت کرو۔ پانچ وقت نماز ادا کرو۔ رمضان میں روزے رکھو خوشدلی کیساتھ زکوٰۃ دیتے رہو، حج کرو اور اپنے اولیائے امر کی اطاعت کرو تو اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔
- اَلاَ فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ: سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ احکام اُن لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں، ہو سکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو!

تاج رحیم

قربانی

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

ہم قربانی کیوں کرتے ہیں، اس پہ ہماری جدید تہذیب، یا جدید معاشرہ یا جو نیا طبقہ ہے اس کا ایک بہت بڑا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ کروڑوں روپے یا اربوں روپے جن کے جانور ایک دن میں ایک وقت میں ذبح کر دیئے جاتے ہیں اگر بجائے جانور ذبح کرنے کے کسی اور تعمیری کام پہ خرچ کیے جاتے تو بہت سے قومی مسائل کا اور بہت سے ضرورتوں کا حل نکل سکتا تھا۔ میرے خیال میں ہم پہلے اسی سوال کو لے لیں یہ بظاہر بڑا دل کش اور بڑا پر زور نظر آتا ہے۔

اس کا سیدھا اور آسان سا جواب یہ ہے کہ ہم قربانی اس لیے کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کی ہے اور قربانی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا یہ جواب ہرگز نہیں کہ یہ سنت ابراہیمی ہے یا اسماعیل علیہ السلام کو قربان کیا گیا یا ابراہیم علیہ السلام نے قربانی دی۔ ہم یا مسلمان یا امت محمدیہ ہم قربانی اس لیے کرتے ہیں کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کی اور ہمیں بھی قربانی کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے حج پہ بھی کی، حج کے علاوہ بھی آپ نے قربانی کی۔

اب اس سوال کا ایک دوسرا پہلو رہ گیا یہ کروڑوں اربوں روپے شاید بن جائیں تو اس کو اس حکم پر جس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت پر ہے کیوں لاگو کیا جاتا ہے۔ ہم روزانہ اپنے وزیروں کے جلوس نکالتے ہیں اس پہ کیوں نہیں لاگو کیا جاتا۔ ہم روزانہ غیر مذہبی تہوار مناتے ہیں جو ناقص تہوار تو ہندوؤں کے ہیں۔ لیکن اس پہ کروڑوں روپے مسلمانوں کے صرف ہوتے ہیں۔ اس پہ کیوں نہیں سوچا جاتا کوئی دانشور اس کے بارے میں کیوں نہیں کہتا۔ ہمارے یہاں اگلے روز چکوال میں وزیر اعلیٰ صاحب تشریف لائے تھے کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ پورے ضلع کی کسی عدالت کسی جج کی کسی تھانے میں اس دن کوئی کام ہوا ہو۔ اس دن کی ان ملازمین کی ایک دن کی تنخواہ کا حساب لگا سکتے ہیں آپ۔ اس کے علاوہ دوسرے اضلاع سے جو پولیس منگوائی گئی اس کی آمدورفت کے لیے جو لاکھوں گاڑیاں آئیں اور گئیں جو لاکھوں گیلن تیل خرچ ہوا کیا اس سب کا حساب لگایا جا سکتا ہے کیا یہ سب فضولیات نہیں ہیں۔ کیا ان کو قومی

یا تعمیری کاموں پہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ ان کے پیچھے نہ کسی نبی کا حکم ہے نہ کسی رسول کا حکم ہے۔ بلکہ اللہ نے منع فرمایا ہے اللہ کے نبی نے منع فرمایا ہے۔ اور کافروں نے یہ انداز اپنا لیا ہے۔ میں نے بریڈ فورڈ میں یہ دیکھا کہ ایک سیکنڈری سکول جہاں مڈل اور ہائی کے بچے پڑھتے ہیں، اس میں وزیر تعلیم معائنہ کر رہا تھا اور کسی کو شہر میں خبر نہیں تھی۔ کہ شہر میں منسٹر آیا ہوا ہے یہ اس کی ڈیوٹی میں شامل ہے۔ وہ تعلیم کا منسٹر ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ ہر سکول کو دیکھنے خود جائے بچوں کی تکالیف سنے اساتذہ کی تکالیف کو سنے اور ہر ممکن ازالہ کرے یہ اس وزیر کی ذمہ داری ہے۔ اس کے لیے کسی سکول کی، کسی خوشامدی کی، کسی کو جھنڈے لگانے کی، جلوس نکالنے کی ضرورت ہی نہیں۔ کینیڈا میں میں نے دیکھا کہ جب وزیر حضرات دفتر سے فارغ ہوتے ہیں تو اپنے گھر کا سودا سلف خریدنے کے لیے عام سٹوروں میں کھڑے ہوتے ہیں۔ کوئی انہیں باری نہیں دیتا کہ منسٹر آگیا ہے اسے باری دے دو۔ بلکہ لائن میں کھڑے ہو جاتے ہیں جب اپنی باری آجاتی ہے چیزوں کی قیمت ادا کر دیتے ہیں۔

جب ان امور کی تعلیم ہمیں اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ کے گورنر تھے اور بہت امیر صحابہ میں سے تھے۔ صحابہ غریب بھی تھے۔ لیکن جب ایران اور روم فتح ہوا اور یمن وغیرہ کی سلطنتیں فتح ہوئیں تو بہت بڑی دولت مال غنیمت میں آئی اور شروع شروع میں آنے والے اکابر صحابہ جو تھے ان کے حصے میں بہت بڑی بڑی دولت مال غنیمت میں آئی اور وہ بہت امیر بھی تھے۔ تو حضرت ابو ہریرہ ابتداً بڑے غریب تھے اور پھر امیر بھی بڑے تھے۔ اور مدینہ منورہ کے گورنر بھی تھے تو اپنی ضرورت کے لیے لکڑیوں کا گٹھا جنگل سے خود لے آتے تھے۔ شہر میں داخل ہوتے تو خود آواز لگاتے کہ اپنے گورنر کے لیے راستہ چھوڑ دو اپنا کام خود کر لیتے تھے اور آواز بھی اس لیے لگاتے تھے کہ سب کو پتہ چل جائے کہ گورنر بھی عام آدمی ہے گورنری کرنا اس کے فرائض میں شامل کر دیا گیا ہے۔ ورنہ وہ بھی ایک عام مسلمان ہے دوسرے مسلمانوں کی طرح۔ اس لحاظ سے یہ اشتراکی اپنی اہمیت کھو دیتا ہے کہ اسے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام پر لاگو کیا جائے اور ان رسومات پہ لاگو نہ کیا جائے جو ہم یا ہمارے حکمران ذاتی تسکین کے لیے جو رسومات ایجاد کر لیتے ہیں ان پر ہم کیوں کروڑوں روپے ضائع کرتے ہیں۔ اسے کیوں نہ روکا جائے۔

دوسری بات یہ ہے قربانی کا ایک فلسفہ یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نام نامی کے ساتھ لفظ ہے خلیل اللہ یوں تو سارے نبی اللہ کے دوست ہوتے ہیں ہر ولی اللہ کا دوست ہوتا ہے۔ ہر مسلمان اللہ کا دوست ہوتا ہے اللہ سے دشمنی تو صرف کافر کے نصیب میں ہے۔ لیکن بعض لوگ اس دوستی میں اس حد تک آگے چلے گئے کہ یہی ان کا نشان بن گیا جن میں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کا امتیازی نشان ہے۔

اب اس دوستی کا اظہار انسانوں پہ بھی اور فرشتوں پر بھی رب جلیل نے اس طرح فرمایا تھا تو خود جانتا ہے ہر کام کو ہر بات کو ہر لمحے کو لیکن اس میں محبت ابراہیمی اور اپنے ساتھ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے تعلق کو اپنی مخلوق پہ ظاہر کرنے کے لیے ایک عجیب انداز اپنایا۔ ان کی عمر اسی برس سے تجاوز کر رہی تھی۔ تو اس وقت ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس عمر میں ان کو بیٹا عطا فرمایا۔ پہلے تو یہ حکم دیدیا کہ بیوی اور بچے کو وہاں تنہا چھوڑ آؤ جہاں آج بیت اللہ شریف ہے اور اس میں کئی میلوں تک بلکہ سینکڑوں میلوں تک آبادی کا نشان نہیں ملتا۔ جبرائیل امین نے رہنمائی کی اور حضرت وہاں چھوڑ آئے۔

آپ نے یہ قصہ بارہا سنا ہو گا حضرت ہاجرہ کی پریشانی حضرت اسماعیل کی بے تابی ان کا پہاڑوں پہ دوڑنا اور آب زم زم کا وہاں سے نمودار ہونا۔ یہ آپ نے پڑھا بھی ہو گا سنا بھی ہو گا۔ اس سب کے بعد جب وہ کچھ بڑے ہوئے، اگلے دن ایک مولانا فرما رہے تھے کہ ان کی عمر تیرہ برس تھی یا اٹھارہ برس تھی یا سترہ برس تھی۔ مختلف روایات ہیں لیکن قرآن کریم نے جو انداز اپنایا ہے وہ بڑا سادہ سا ہے۔

جب وہ آپ کے ساتھ دوڑنے کے قابل ہوا جب بچہ انگلی پکڑ کر باپ کے ساتھ چلتے ہوئے آدمی کے ساتھ دوڑ کر چلتا ہے یہ عمر تین برس سے چار پانچ سال کی ہوتی ہے۔ قرآن نے عمر کی تعین نہیں کی۔ ایک انداز اپنایا ہے۔ جب وہ ان کے

ساتھ دوڑنے کے قابل ہوا۔ تو اللہ نے حکم دیا کہ آپ اسے میری راہ میں قربان کردیں۔ تو آپ اندازہ کریں کہ جس اللہ کے بندے کی عمر کا وہ حصہ ہو۔ اس حصے میں ابراہیم علیہ السلام جیسے فرزند عطا ہو جس کی پیشانی میں نور نبوت درخشاں ہو پھر اس کی عمر کا وہ حصہ ہو جو ہر بچنے والا ہوتا ہے اور اس پر بیٹے کی جدائی بیٹے کی وہ پریشانی اس کے بعد وہ حکم دیا جائے کہ اسے میری راہ میں ذبح کردو تو اس کے لیے کتنی محبت چاہیئے۔ حکم دینے والے کے ساتھ کہ آدمی اس کی گردن پہ چھری رکھدے۔ تو یہ تمام نظارہ جو رب العالمین نے ان فرشتوں کو بھی کرادیا جو کہتے تھے کہ یہ تخلیق آدم سے کیا فائدہ ہوگا۔ پہلے جو زمین پر مخلوق ہے وہ بھی تو آپس میں لڑتی بھڑتی رہتی ہے۔ اور بنائیں گے آپ تو یہ بھی فساد ہی کریں گے۔ اللہ کریم نے انہیں دکھا دیا کہ ان میں ایسے بھی ہیں کہ جو سب کچھ میرے اشارے پہ میرے نام پہ میری خوشی کے لیے میری رضامندی کے لیے انتہائی عزیز ترین متاع اپنے ہاتھوں لٹا بھی سکتے ہیں۔ اور آپ نے تو اپنی دانست میں ذبح کر دیا لیکن جب آنکھیں کھولیں تو وہ کھڑے مسکرا رہے تھے۔ اور دنبے کی گردن کٹ چکی تھی۔ تو آپ حیران ہوئے تو اللہ کریم نے فرمایا۔ آپ نے اپنی بات سچی کر دی آپ نے ذبح کر دیا۔ اب یہ میری مرضی کہ میں نے اسماعیل کو بچا لیا اور دنبہ ذبح کرا دیا۔ میری مرضی۔ لیکن آپ نے ذبح کر دیا آپ پریشان نہ ہوں۔

یہ ایک قرب الٰہی کا انتہائی اعلیٰ درجہ تھا رب جلیل نے امت محمدیہ کو جہاں بے تابی اسماعیل میں حصہ دار بنایا۔ مقدت میں ہم نے کیا کچھ نہیں پایا فرمایا تم بھی زم زم پیو تمہارے لیے بھی ہر باطنی اور ظاہری بیماریوں سے شفا ہے۔ تم بھی ان پہاڑیوں پہ دوڑو۔ حضرت ہاجرہ نے بیتاب دبے قرار ہو کر ایک فرزند کو تڑپتا دیکھ کر اور انتہائی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں دوڑی تھیں۔ لیکن تم بخیر و خوبی جاؤ آرام سے رہو کھاؤ پیو مگر ان پہاڑوں پر سات چکر اسی طرح سے بھی لگاؤ تاکہ تمہیں اسی بے تابی حاجرہ سے بھی حصہ ملے۔

اور فرمایا تم اللہ کی راہ میں جانور ذبح کر دو تو تمہیں ایثار ابراہیمی میں سے بھی حصہ دے دوں گا۔ تو اگر ہم اس فلسفہ قربانی کو دیکھیں اور اپنے ان چند سکوں کو دیکھیں جن سے جانور خریدتے ہیں تو کیا یہ سودا مہنگا ہے یا سستا ہے۔

یہ دانشور حضرات جو اعتراض کرتے ہیں انہیں صرف دین پر اعتراض سوجھتے ہیں ورنہ یہ سودا انتہائی سستا ہے کہ آپ صرف چند روپے خرچ کر کے ثواب میں حصہ دار بن جاتے ہیں جس میں ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے جگر گوشہ کی گردن پر چھری رکھ کے جو اجر تجلیات اور جو قرب اور ثواب کمایا تھا اسی میں سے کوئی حصہ کوئی عشر عشیر سہی کوئی ذرہ سہی لیکن ثواب تو اسی قسم کا ملتا ہے۔ قربانی ہی کا ملتا ہے۔

اور اللہ ایسا کریم ہے کہ اس نے امت محمدیہ کے کسی فرد کو اس سے محروم نہیں رکھا۔ امیروں کو صاحب نصاب بنا کر مکہ مکرمہ کی حاضری اور حج عمر میں ایک بار اگر فرض فرمایا ہے تو جس کے پاس اسباب و وسائل نہ ہوں اس کے لیے اگر ہر جمعہ بالاہتمام پڑھے تو ہر جمعہ اس کے لیے حج کا درجہ رکھتا ہے اسی طرح جو آدمی وہاں نہیں پہنچ سکتا یا حج کر کے فارغ ہو چکا ہے، جہاں بھی ہے جس جگہ بھی وہ اپنی قربانی پیش کرتا ہے وہ اس قربانی میں شریک اس اجر میں شریک اس ثواب میں شریک ہو جاتا ہے۔ قرب الٰہی کے ان کیفیات میں سے اپنا حصہ پا لیتا ہے۔ جو حجاج کرام کو وہاں نصیب ہوتی ہے۔

استطاعت ہو صاحب نصاب ہو تو حج کرے۔ لیکن قربانی کے لیے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جسے میسر آئے وہ ضرور کرے۔ کیونکہ سال میں یہ صرف تین دن آتے ہیں ان کے علاوہ کبھی یہ اجر حاصل نہیں کر سکتے۔ پھر آئندہ سال آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔ اگر عمر نے وفا کی اور آپ نے یہ موقع پالیا۔

تو یہ ہے فلسفہ قربانی۔ ہم سنت ابراہیمی اسے اس لیے کہتے ہیں کہ یہ شروع ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ لیکن ہم کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کہ اللہ نے یہ عطا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کی آپ جانور قربانی کریں اور اس قربانی میں شریک ہو جائیں۔ اور حضورؐ نے اپنے ساتھ اپنی پوری امت کو شریک فرما لیا کہ میرا جو امتی جہاں ہے وہیں جانور قربان کرے اور میرے ساتھ ثواب

میں شریک ہو جائیے یہ تو مختصر اً فلسفہ تھا قربانی کا۔

اب آیئے اس پہلو پر کہ ایک آدمی کو قربانی کے لیے کیسا یا کتنے جانور دینے چاہئیں تو میرے خیال میں ہم نے جو یہ طے کر لیا ہے کہ ایک آدمی ایک بکرا دے یا ایک آدمی ایک دنبہ دے تو ایک آدمی اگر گائے یا بیل خرید لے تو اس میں یقیناً سات یا آٹھ آدمی ہوں اگر اونٹ خرید لیں تو گیارہ ہو جائیں یہ بھی ہم نے ایک روش اپنالی ہے۔ ورنہ حق یہ ہے کہ جس آدمی کو جتنی وسعت ہو اپنی حیثیت کے مطابق اسے قربانی میں اتنا حصہ لینا چاہیئے۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حج پر ایک عید پر اپنی طرف سے آپ نے اکیلے سو اونٹ قربانی کئے تھے۔ جس سے اس رواج کی نفی ہو جاتی ہے کہ ہر امیر غریب صرف ایک بکری پہ ایک دنبے پہ یا دوسری طرف ہم نکل جاتے ہیں دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے کہ فلاں نے ہزار کا دنبہ لیا ہے میں نے دس ہزار کا لیا ہے یہ ایک دوسرے کے ساتھ چکر کا معاملہ نہیں ہے یہ ایک دوسرے سے برتری کا معاملہ نہیں ہے یہ معاملہ رب جلیل کے ساتھ ہے۔ حضور کی اتباع کا ہے اور اس جذبہ ایثار میں شریک ہونے کا ہے جس کے ساتھ وہ کیفیت بھی وابستہ ہو۔ یہ یقینی بات ہے کہ اگر ہم نے خلوص سے قربانی کی تو صرف بکرا قربان نہیں ہو گا۔ صرف دنبہ قربان نہیں ہو گا۔ صرف جانور ذبح نہیں ہو گا بلکہ اللہ ہمیں توفیق دے دے کہ ہم اس کی اطاعت کیلئے اپنے مفادات کو بھی قربان کر سکیں۔ آئندہ زندگی میں ہمیں توفیق عمل مل جائے۔

ہم عبادت کے اوقات میں آرام قربان کر سکیں ہم حلال کے مقابلے میں حرام کو چھوڑ سکیں۔ ہم بھوک قبول کر لیں اور حرام نہ کھائیں یا جھوٹ بولنا چھوڑ دیں خواہ اس میں ہمیں تکلیف بھی ہو یا ہم برائی سے اجتناب کرنا شروع کر دیں کچھ ایثار بھی اگر اس میں ہمیں کچھ قربان بھی کرنا پڑے نقصان بھی اٹھانا پڑے اور یہ شرط ہے کہ اگر ہم نے خلوص سے قربانی کی ہماری قربانی قبول ہو جائے۔ تو ہمیں کوئی ذرہ ان انوارات کا نصیب ہو گا جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوئے تھے۔ اس کا اثر یہ ہو گا کہ ہم میں عادات ابراہیمی آنا شروع

ہو جائیں گی۔ یعنی ان ہی کی طرح پر ہم بھی اللہ کے احکام پر اپنے ذاتی مفادات کو قربان کرنا سیکھ جائیں گے۔ یہ قربانی کا ایک نتیجہ ہے جس سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری قربانی کیا رسمی تھی رواجی تھی یا خلوص کے ساتھ تھی اور منظور ہوئی کچھ میرے دل میں وہ جذبہ آیا ہے یا نہیں ہر ایک کے دل کا حال یا خدا جانتا ہے یا کسی حد تک انسان خود اندازہ کر سکتا ہے دوسرے کو کسی کا کیا پتہ۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ بھی ایک رسم ہے کہ قربانی کے گوشت کو تین ٹکڑے کیا جائے ایک رشتہ داروں کو دیا جائے ایک غرباء کو اور ایک خود کھا ئے۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی قربانی کرنے کے بعد آپ چاہیں خود کھائیں، رشتہ داروں کو دیں۔ جو چاہیں غریبوں کو دیں۔ اس پر کوئی پابندی نہیں۔ آپ سارا خود کھالیں کوئی پابندی نہیں، سارا غریبوں کو دے دیں کوئی پابندی نہیں۔ بانٹنے کے لیے ایک مسنون طریقہ ہے کہ جب کوئی چیز آپ بانٹتے ہیں تو جو آپ کے رشتہ دار ہوتے ہیں ان کا حق دوسروں کی نسبتاً زیادہ بنتا ہے۔ انہیں دیں گے تو دوگنا ثواب ہو گا۔ اپنے اڑوس پڑوس تو دیں گے تو دوسرے باہر سے کی نسبت اس سے زیادہ ثواب ہو گا۔ اور اگر آپ سارا خود نہیں کھائیں گے کچھ خود کھا لیا کچھ دوسروں کو دے دیا تو بہت سے لوگ آپ کی خوشی میں شریک ہو سکیں گے۔ اس سے ثواب زیادہ ہو جاتا ہے۔ ورنہ یہ شرط نہیں ہے کہ آپ اسے تین برابر حصوں میں بانٹیں یہ کسی نے رواج بنایا ہے۔ اور وہ چل رہا ہے۔

قربانی کا چمڑہ آپ اجرت میں نہیں دے سکتے چونکہ وہ مساکین کا حق ہے آپ کسی سے قربانی کا جانور ذبح کرواتے ہیں اسے الگ سے اجرت دیں یا چمڑہ آپ نے اسے دے دیا ہے تو جو چمڑے کی اصل قیمت ہے وہ غریبوں میں بانٹ دیں پھر آپ اپنی گرہ سے اس کی قیمت دے دیں تو چمڑہ قیمتاً آپ خرید لیا کسی کو دے دیا تو آپ نے اس کی اجرت دے دی وہ آپ کا ہو گیا وہ غرباء کا حق ہے۔ حتیٰ کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اونٹ قربان فرمائے ان کے گلے میں جو رسیاں تھیں وہ بھی خیرات کے طور پہ غریبوں کو دے دیں انہیں

واپس نہیں لے گئے۔

قربانی کی کھالوں کا جو استعمال ہے اس میں ایک اور گنجائش ہوتی ہے آپ استعمال کی چیزیں بنا سکتے ہیں۔ جیسے کھال سے کنویں کا ڈول آپ بنا لیتے ہیں یا آپ کوئی چارپائی بن لیتے ہیں۔ یا آپ کوئی ایسی چیز مشترکہ استعمال کی ہوتی ہے۔ وہ بنا لیتے ہیں یا قربانی کی رقم آپ کسی راستے پہ لگا دیتے ہیں یا آج کل جیسے حکومت امداد دیتی ہے آپ پیسے جمع کر کے کوئی گلی پختہ کرنے پہ لگا دیتے ہیں۔ اجتماعی کاموں پہ آپ قربانی کی رقم خرچ کر سکتے ہیں۔ یہ اس میں گنجائش موجود ہے یعنی قربانی کے چمڑے جو ہیں وہ اجتماعی مفاد کے کاموں پہ خرچ کئے جا سکتے ہیں جبکہ زکوٰۃ ہر آدمی اجتماعی کاموں پہ خرچ نہیں کر سکتا۔ وہ مساکین کا حصہ ہوتی ہے یا مساکین کا کوئی ادارہ ایسا ہو جو مجاز ہو وہ کرے۔ ہر آدمی نہیں کر سکتا لیکن قربانی کا جو چمڑا ہوتا ہے اسے ہر آدمی اپنی صوابدید پہ یا اجتماعی کسی فائدے کے کام پہ خرچ کر دے یا مساکین پہ خرچ کر دے۔

جن جانوروں میں شراکت کی جاتی ہے ان کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ تین یا پانچ یا سات حصے دار ہیں ان میں سے اگر ایک بھی حصہ دار مطلق نہ ہو تو سب کی قربانی قبول نہیں ہوتی خواہ وہ کسی ایک بوٹی پہ ناراض ہو جائیں خواہ چمڑے کی تقسیم پہ ناراض ہو جائیں۔ خواہ وہ کسی ایک معاملے پہ الجھ جائیں۔ اسلئے ان سب کے لیے مصیبت یہ ہوتی ہے کہ وہ سب مل بیٹھ کر آپس میں اتفاق سے تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت طے کریں کہ وہ عموماً ہمارے ہاں کم از کم ایک دو ہمارے گاؤں جن کے حالات سے میں واقف ہوں یہاں تو یہ ہوتا ہے کہ ہمارے موچی حضرات ان جانوروں میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی غرض ہوتی ہے چمڑہ لینا کیونکہ حصہ داری ہوتی ہے دوسرے کو لینے نہیں دیتے اور پھر حصہ داری کے طفیل وہ بیس یا پچیس روپے دے کر لے لیتے ہیں اور وہ چمڑہ ہوتا ہے بیل کا ایک سو بیس تیس روپے کا تو انہوں نے جو حصہ داری کے روپے دیئے ہوتے ہیں وہ بھی چمڑے میں واپس آجاتے ہیں۔ گوشت تقسیم کا مل جاتا ہے تو اسی طرح کاروباری طرز پہ قربانی جو کی جاتی ہے اس شراکت سے سب کی قربانی نہیں ہوتی۔ کوئی ایک بھی اگر اس طرح سے اس خیال سے یا اس انداز سے کرے گا تو وہ قربانی ادا نہیں ہوتی۔

آپ کسی ایسے آدمی کو جس کا عقیدہ اسلامی عقائد کے خلاف ہے اس کو ساتھ ملا لیتے ہیں تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہوتی۔ اس کے لیے عقائد کا صحیح ہونا شرط ہے اور میرے خیال میں اسلام میں جتنے فرقے بنے ہوئے ہوئے ہیں۔ آج کل تو بے شمار ہیں چونکہ ہر مسجد میں ایک علیحدہ اسلام ہے اس کے باوجود اسلام میں بڑے بڑے فرقے یا شیعہ کا ہے انہوں نے ایک الگ نظام اسٹیبلش کیا ہے یا قادیانیوں کا ہے جنہوں نے نبوت سے ہی اپنی راہ الگ کر لی ہے۔ اس کے علاوہ یہ جتنے فرقے دیوبندی بریلوی مقلد غیر مقلد یہ وہ ہیں جن کے اصول میں کوئی اختلاف نہیں ہے چھوٹا چھوٹا تھوڑا تھوڑا مولویوں کا اختلاف ہے۔ کھانے پینے پر لیکن میں ان میں سے کسی کو اسلام سے خارج نہیں سمجھتا کیونکہ میرے مطالعہ میں جو بات ہے وہ یہ ہے کہ باوجود تھوڑے تھوڑے اختلاف کے یہ سارے مسلمان ہیں۔ اور ان سب میں گزارا کرنا چاہیئے۔ اور آدمی میں اتنی قوت برداشت ہونی چاہیے کہ ان کے ساتھ مل جل کر گزارا کرے۔ اگر کوئی بلند آواز سے درود شریف پڑھتا ہے تو وہ پڑھ لے اور اگر کوئی آرام سے پڑھتا ہے تو اسے برداشت کرو اگر کوئی زور سے آمین کہتا ہے تو اسے مت ٹوکو۔ کوئی آہستہ کہتا ہے تو کہہ لے۔

شیعہ اور قادیانیت جو ہیں میرے کہنے سے نہیں بلکہ شیعت میں الوہیت سے، نبوت سے لے کر کتاب تک آخرت تک نماز کلمہ روزہ اور سارے فقہی مسائل نکاح طلاق جنازہ، وضو ہر چیز اپنی الگ سی بنا لی ہے ان میں سے دو نوں باتیں صحیح نہیں ہو سکتیں یا وہ حضرات صحیح کہتے ہیں یا باقی سب لوگ صحیح کہتے ہیں اس لیے دونوں کا اتفاق نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح قادیانیوں کا بہت بڑا مسئلہ نبوت ہے۔ نبوت معمولی بات نہیں نبوت ہی دین کی بنیاد ہوتی ہے۔ دین کے پاس اور تو کوئی بنیاد ہی نہیں۔ اللہ سے بندے کا تعلق ہے نبی کے طفیل ہے۔ اب نبوت پر ہی جب اختلاف ہو گیا۔ ایک شخص ایک کو نبی مانتا ہے۔ دوسرا اس کو نبی مانتا ہی نہیں تو ان میں کوئی اتفاق کی سبیل نہیں بنتی۔

ہم چونکہ بفضل اللہ اپنے کو حق پر سمجھتے ہیں لہٰذا ہمیں تو یہ سمجھنا پڑے گا کہ یہ دونوں حضرات جھوٹ بولتے ہیں اگر وہ جھوٹے نہیں تو پھر ہم اپنے آپ کو جھوٹا کہیں گے اگر ہم جھوٹے ہیں تو ہمیں جھوٹ پہ اصرار کیوں ہے ہمیں ان کے ساتھ ملنا چاہیئے اگر ہم ایسا نہیں کر رہے تو ہم یقیناً انہی کو جھوٹا سمجھتے ہیں دو میں سے ایک بات تو ہے ان دو کے علاوہ میں کسی فرقے کے خلاف اس حد تک نہیں جاتا ہوں کہ اسے میں کافر سمجھوں اور میرے خیال میں باقی کوئی فرقہ بھی کفر کی زد میں آتا نہیں ہے یہ مولویوں کے جھگڑے ہیں۔ کہیں کھانے کا جھگڑا ہے کہیں گانے بجانے کا جھگڑا ہے۔ کچھ تھوڑے تھوڑے مسائل ہیں اور وہ ہمارا قومی اور اجتماعی مسئلہ ہے کہ ہم نے مولوی کے لیے کوئی پروفیشن نہیں چھوڑا۔ ہمارا مولوی اور ہمارا پیر۔ یہ دو قابل احترام ہستیاں ہیں ہمارے پاس جن کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے سوائے مسجد کے۔ اگر ہم انہیں روزگار مہیا کر سکیں تو مساجد میں جھگڑا ختم ہو جائے اور باتیں صاف ہو جائیں۔ لیکن چونکہ ان بیچاروں کا روزگار پھنسا ہوا ہے مساجد میں۔ تو انہیں یہ فکر رہتی ہے کہ ہر مسجد کے لوگ ہر مسجد کا مولوی یہ سمجھتا ہے کہ وہ میری بات سنے اور دوسرے کی نہ سنے ایسا نہ ہو کہ وہ دوسرے کے پیچھے چلے جائیں، تو مجھے پیسے کون دے گا۔ اصل مصیبت صرف یہ ہے کہ اور یہ واقعی بہت بڑی بات ہے۔ ان میں یہ ان کے پیشے کے اعتبار سے ایک جھگڑا ہے۔ جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ بیوپاریوں سے لڑتے جھگڑتے ہیں یہ میرا بیوپاری تھا۔ آپ نے اسے کیوں چائے پلائی۔ حالانکہ چائے پلانا تو ایک اخلاقی بات ہے بس سے اتنا دوسرے ایجنٹ اس کے گلے پڑ جاتا ہے یہ مجھ سے کوئلہ خریدتا ہے تو تو نے اسے کیوں چائے پلائی۔ وہ سمجھتا ہے اس نے چائے پلائی ہے کوئلہ بھی یہی دے گا۔ بس یہی ہمارے اس مذہبی اختلاف کی بنیاد بھی ہے۔

میرے خیال میں ہمیں برداشت کرنا چاہیئے گزارا کرنا چاہیئے۔

قربانی کے لیے ٹوٹل بھرتی نہیں کرنا چاہیئے کہ آدمی کہے چلو خانہ پری ہو گئی۔ گزارا ہو گیا۔ اگر ہمیں اس پر کسی اجر کی امید ہے تو ہمیں واقعی اپنے آپ پر کچھ بوجھ ڈالنا چاہیئے۔ اور اپنی طرف سے اپنی حیثیت کے مطابق کسی کے ساتھ مقابلہ نہیں ہے لیکن کم از کم اپنی حیثیت کے مطابق جسطرح ہم عید کے لیے کچھ تھوڑی سی مشکل برداشت کر کے نئے کپڑے بنا لیتے ہیں۔ کچھ مشکل برداشت کر کے نئے جوتے بنا لیتے ہیں کچھ مشکل برداشت کر کے مٹھائی پکا لیتے ہیں۔ اسی طرح کچھ مشکل برداشت کر کے بھی قربانی اچھی اور عمدہ ہونی چاہیئے ورنہ فقہاء کہتے ہیں کہ جو چل کر ذبح کرنے کی جگہ پر پہنچ جائے وہ بھی جائز تو ہے۔ ایسی نہ ہو کہ چل ہی نہ سکے۔ ہاں بعض جانوروں کے سینگ ٹوٹ جاتے ہیں یا دانت ٹوٹ جاتے ہیں یا کان کٹے ہوئے ہیں تو یہ بڑا اصولی سا مسئلہ ہے کہ کوئی بھی عضو جو تھا حصہ کٹا ہوا ہو تو وہ جانور قربانی پر نہیں لگتا۔ مثلاً دانت ایک مستقل عضو ہے اگر ٹوٹا ہوا ہے تو دیکھ لیں اگر ایک چوتھائی ٹوٹ گیا ہے تو پھر وہ قربانی نہیں لگے گا۔ چوتھائی سے کم ہے کوئی حرج نہیں۔ سینگ ایک مستقل عضو ہے چوتھائی سے کم ٹوٹ گیا خیر ہے اگر چوتھائی ٹوٹ گیا قربانی نہیں لگے گی۔ اسی طرح کان ہے وہ ایک مستقل عضو ہے چوتھائی سے کم کٹ گیا خیر ہے چوتھائی کٹ گیا قربانی نہیں لگے گی۔

تو اسطرح کی چیزوں کا خیال فرما لیجئے اور یہ اندازہ کر لیجئے کہ آج جو ہم اللہ کے نام پر خرچ کر رہے ہیں کل روز محشر ہمیں اپنے اجر کے لیے اپنے بخشش کے لیے اپنے گناہوں کے ازالے کے لیے اسی مال کو لے کر حاضر ہونا ہے کہ اللہ ہم نے یہ سجدے یہ رکوع یہ قیام یہ سجود یہ مال یہ دعائیں یہ تیری راہ میں تیرے دروازے پہ دستک دی تھی تو ان سب میں خلوص ایثار اور اللہ کی رضامندی کی طلب بنیادی شرط ہے اللہ کریم ہمیں نصیب فرمائے اور ہماری چھوٹی چھوٹی کوششوں کو شرف قبولیت سے نوازیں۔

ولی اللہ کون؟

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

نبی کا کام تھا اللہ کی بات پہنچانا تو ولی کا کام بھی یہ ہے کہ لوگوں تک اللہ کی بات پہنچانا لوگوں کی گائیوں بھینسوں کو دم کرنا ولایت نہیں ہے نبی کا کام تھا دلوں کو روشن کرنا لوگوں کو دنیوی رزق کا لالچ دے کر ان سے پیسے بٹورنا ولایت نہیں ہے بلکہ لوگوں کو دین پہنچانا ولایت ہے لوگوں کے دلوں میں وہ جذبہ پیدا کرنا کہ انہیں گناہ سے نفرت اور نیکی سے محبت ہو جائے یہ ولی اللہ کا کام ہے۔

یوں تو ہر زمانے میں اور ہر دور میں ہر طرح کے لوگ پائے جاتے رہے ہیں اور جوں جوں زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے اپنا فاصلہ بڑھاتا جاتا ہے اسی قدر برکات گھٹتی چلی جاتی ہیں۔ صداقت دیانت خلوص اور للہیت کم ہوتی چلی جاتی ہے بددیانتی کفر شرک اور دنیا کے لیے طمع کا رواج بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ میری مراد دنیائے کفر سے ہرگز نہیں کیونکہ کافر پہلے سے ہی برکات نبوت سے محروم ہوتا ہے اور تجلیات باری سے بھی میری مراد ان نام نہاد مسلمانوں سے ہے جو دعوی تو مسلمان ہونے کا کرتے ہیں لیکن اسلام بھی ان کے لیے نفع بخش پیشے کی حیثیت رکھتا ہے اور اسلام کو بھی انہوں نے دنیا، دنیا کا اقتدار، دنیا کی دولت کمانے کا ایک معقول ذریعہ بنا لیا ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے چونکہ ہر جھوٹ کے ساتھ شیطان کی تعریف اور شیطانی قوتیں شامل ہو جاتی ہیں اور ہر جھوٹ بڑی تیزی سے پھیلتا ہے لیکن اللہ کا نظام ایسا ہے کہ جھوٹ جتنی تیزی سے پھیلتا ہے اتنی ہی تیزی سے وہ اپنے انجام کو بھی پہنچ جاتا ہے یہ تاریخ کا ایک حصہ ہے اور تاریخ عالم ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے

دنیا میں لوگوں نے خدا ہونے کے دعوے بھی کیے اور کتنی عجیب بات ہے کہ وہ عام انسانوں کی طرح انسانوں ہی سے پیدا ہوئے انسانوں ہی کے پاس ان کا بچپن گزرا۔ لڑکپن گزرا کھاتے پیتے تھے سوتے جاگتے تھے انسانوں کے محتاج تھے سواری کے محتاج تھے۔ گرمی سردی کے محتاج تھے ان سے متاثر ہوتے تھے اس کے باوجود اپنے خدا ہونے کے مدعی تھے۔ اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ لوگوں نے انہیں خدا مانا یعنی انسانی عقل پر بھی ایسے پتھر پڑے انہوں نے انہیں خدا تسلیم کیا۔

آپ دور کیوں جاتے ہیں آپ اپنے ہی ملک میں اسماعیلیہ فرقے کو دیکھیں یہ آج بھی کریم آغا خان کو خدا کو مانتے ہیں اسی کی عبادت کرتے ہیں جماعت خانوں میں ان کا طریقہ عبادت دیکھیں

تو ان کا عقیدہ الوہیت ہی یہ ہے کہ جو بھی حاضر امام ہوتا ہے وہی خدا ہوتا ہے اور اس کے وجود میں خدا حلول کیے ہوتا ہے اب ایک آدمی انگریزوں کی طرح رہتا ہے انگریزوں ہی کی طرح اس کی بود و باش، اس کی بود و باش کو چھوڑ دو اس کا سارا عمل کھانا پینا حرام کھاتا ہے۔ حرام پیتا ہے برائی کرتا ہے دنیا کی ہر برائی کرتا ہے۔ اربوں روپے کا وہ مالک ہے سارا نظام اس کا سود پر ہے دنیا میں بہت بڑا جواری ہے اس جیسا کوئی دوسرا جواری دنیا میں نہیں ہے۔ یعنی ہر برائی جو ہے وہ اس میں موجود ہے اس کے باوجود لوگ کہتے ہیں نہیں یہ خدا ہی ہے لوگوں کی عقل پر ایسے پتھر پڑتے ہیں کہ آج اس زمانے میں بھی جسے آپ بڑا مہذب اور ترقی یافتہ اور بڑا سائنسی ایجادات کا دور کہتے ہیں۔

حلال حرام نکاح طلاق سے کوئی واسطہ نہیں جو کچھ اس نے کہہ دیا وہی خدائی احکام ہیں وہی شرعی دین ہے وہی سب کچھ ہے بلکہ اللہ کریم نے تو سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ فرض کی ہے اور وہ بھی اس پیسے پر جو ایک سال تک کسی کی ملکیت میں رہے یعنی اس پیسے پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے وہ پیسہ زکوٰۃ کا نصاب بنتا ہے جو آپ کے پاس آئے اور پھر مسلسل ایک سال وہ آپ کی تحویل میں رہے ایک سال کے بعد اس پر چالیس روپے ہوں تو ان میں سے ایک روپیہ زکوٰۃ دینا فرض ہو جاتا ہے لیکن آغاخان جو زکوٰۃ لیتا ہے وہ ان کی جو بھی وہ مزدوری کرتے ہیں اس میں سے دسواں حصہ اس کا ہوتا ہے دس آنے کمائیں تو ایک آنہ اس کا ہے دس روپے کمائیں تو ایک روپیہ اس کا ہے جو وہ روزانہ کماتے ہیں اور وہ روزانہ جمع کراتے ہیں اور میرے خیال میں پاکستان سے اسے ہر ماہ کی آمدن کروڑوں میں ہے۔

اس طرح آپ کو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کی بے شمار طویل فہرست ملے گی حتیٰ کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسیلمہ کذاب نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور اس کا نام کذاب رکھا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھا اس کے بعد چھ سات آدمیوں کی فہرست ملتی ہے جنہوں نے اس دور میں دعویٰ نبوت کیا لیکن وہ دور ایسا تھا مسلمان اپنے دل روشن رکھتے تھے جمال نبوی سے لہٰذا جہاد کیا گیا اور ان کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا یہی مسیلمہ جو ہے جس کے ساتھ معرکہ ہوا اس کے ساتھ چالیس ہزار جنگجو فوج تھی اس کے اپنے قبیلے کی اور یمامہ کا علاقہ پہاڑی علاقہ ہے جس علاقے میں یہ تھا وہ قبائل بڑے لڑاکے اور سخت مزاج تھے کسی چیز کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلمان اللہ کا نام لے کر ٹوٹ پڑے اور فتنے کو نابود کر کے دم لیا۔

اس کے بعد نمبر آتا ہے ولایت کا۔ اب آپ اندازہ کریں جب خدائی کا دعویٰ لوگ کر سکتے ہیں تو ولی اللہ ہونے کا دعویٰ کرنا کونسی بڑی بات ہے جس کا جی چاہے کر سکتا ہے۔

اس کے مقابلے میں تو اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں اس لیے بے شمار مدعی ملتے ہیں ولایت کے اور ہر مدعی ولایت جو ہے وہ ایک نئی سے نئی چیز پیش کرتا ہے ایسی خوبصورت ایسی رنگین جس میں لوگوں کو پھانسنے کی بہت سی ترغیبی رنگت ہوتی ہے اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں بہت فائدہ ہوگا دنیوی فائدہ ہوگا لیکن درحقیقت ہوتا وہی کچھ ہے جو جال میں پھانسنے کے لیے پرندے کے ساتھ ہوتا ہے اسے وہ دانے نظر آ رہے ہوتے ہیں جو زمین پہ بکھرے ہوتے ہیں جال نظر نہیں آتا جاتا تو وہ دانہ لینے کے لالچ میں جال پہ بیٹھتا ہے جال میں پھنس جاتا ہے جو لوگ دنیا لینے کے لیے نام نہاد اولیاء کے جال میں پھنستے ہیں وہ دنیا کے ساتھ اپنی عزت و آبرو بھی دے کر بعض اوقات واپس نہیں آتے ساری ساری عمر بلکہ نسلوں تک کو ڈبو دیتے ہیں اور وہیں ساری عمر خراج ادا کرتے رہتے ہیں

یہ میں نے اس لیے بات چھیڑ دی ہے کہ کوئی ایسا موقع خالی نہیں جاتا جب کسی نہ کسی طرف سے کوئی عجیب بات پوچھنے کے لیے آنہ جاتی ہو۔ اور اب یہ رواج بھی چلا ہے جو شخص بھی ولایت کا دعویٰ کرتا ہے وہ دو باتیں ملا لیتا ہے ایک بات تو یہ ہر مدعی ولایت نے عام کر دی ہے وہ بالکل اس طرح جس طرح بچوں کا کھیل ہوتا ہے وہ یہ بات کہہ دیتے ہیں کہ جی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم حاصل کرتا ہوں یا اللہ سے حکم لیتا ہوں یا مجھے بارگاہ نبوت کی حضوری حاصل

ہے یا بارگاہ نبوت میں میں حاضر ہوا تو یہ حکم ہوا۔ بلکہ یہ تو میں کہہ رہا ہوں بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ حضور میرے پاس تشریف لائے ہیں یہ حاضری کا لفظ شاید میں نے استعمال کر دیا جتنی بار مجھ سے پوچھا گیا تو سب کہنے والے یہی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لاتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہوتی ہے کہ کوئی مصیبت کسی پر ہو کوئی بیماری ہو کوئی کام ہو دنیا کا کسی کا تو وہ میں دم کرتا ہوں یا وظیفہ بتاتا ہوں تو وہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔

میرے خیال میں بار بار یہ مجھ سے پوچھنے کے بجائے ہر مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ ولایت کیا بلا ہے کیا ہوتی کیا ہے کوئی شے ہوتی بھی ہے یا نہیں ہوتی اور اگر ہوتی ہے تو کیا چیز ہوتی ہے ولی کی شناخت کیا ہے ہم کیا سمجھیں کون ولی اللہ ہے اس کے لیے آپ کو پہلے یہ سمجھنا ضروری ہوگا کہ نبی کیوں مبعوث ہوتے ہیں اور تمام انبیاء کے سردار ہیں آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی بعثت کا مقصد کیا ہے آپ کو کس لیے مبعوث فرمایا رب العالمین نے کیا لوگ بیمار ہوتے تھے اور آپ کو اس لیے مبعوث فرمایا کہ لوگ علاج کی تکلیف سے چھوٹ جائیں حضور دم کر دیا کریں اور ان کو شفا ہو جائے کیا لوگ بھوکے تھے اللہ نے اپنے نبی کو اس لیے مبعوث فرمایا کہ لوگ امیر ہو جائیں ان کی بھوک دور ہو جائے اور لوگوں کا دنیاوی کام رکا ہوا تھا اللہ نے نبی کو اس لیے مبعوث فرمایا کہ وہ کام کر دے۔

اللہ ہی سے پوچھ لو اللہ کریم فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ ۔ اللہ وہ عظیم ہستی ہے جس نے ایک ان پڑھ قوم میں اپنے رسول کو مبعوث فرمایا جو انہی میں سے ایک ہستی تھی اس رسول کی بعثت کا مقصد کیا تھا اسے قوم کو کیا حاصل ہوا سب سے بڑی بات جو رسول کا منصب تھا۔ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ جو کام کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا وہ اللہ کے رسول نے کر دیا کہ وہ اللہ کی بات اللہ کے بندوں کو بتاتا ہے یعنی یہ وہ کام تھا جو نہ کوئی بادشاہ کر سکتا تھا نہ کوئی حکومت کر سکتی تھی نہ کوئی امیر کر سکتا تھا نہ کوئی دولت مند کر سکتا تھا نہ کوئی دوسرا۔ کوئی سائنس دان۔ کوئی فلاسفر کسی بھی طریقے سے یہ کام نہیں ہو سکتا تھا یہ اتنا مشکل تھا کہ بجز اللہ کے رسول کے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا تھا اللہ نے رسول کو مبعوث فرما کر احسان فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں کو اللہ کی باتیں سنائیں کہ تمہارا رب تمہیں یہ حکم دیتا ہے تمہارا رب تم سے یہ چاہتا ہے تمہارا رب اس بات سے خوش ہوتا ہے تمہارا رب اس بات کو پسند نہیں فرماتا اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے یہ اتنی بڑی بات تھی جو بجز رسول کوئی دوسرا نہیں کر سکتا تھا۔

پھر رسول نے یہاں بات ختم نہیں کر دی کہ لوگوں کو صرف بتا دیں کہ اللہ کریم کس بات پر راضی ہیں اور کس بات پہ ناراض ہیں حالانکہ اتنا بتا دینا ہی اتنی بڑی بات تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں کر سکتا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بڑھ کر کیا یہ بتانے کے بعد جس نے آپؐ کی بات قبول کی۔

وَيُزَكِّيهِمْ ۔ اسے اس طرح پاکیزہ کر دیا کہ اس کے دل میں اللہ کی تجلیات برسنے لگیں یعنی لوگ کفر سے آلودہ تھے لوگ شرک سے آلودہ تھے لوگ گناہ سے لتھڑے ہوتے تھے لوگ ہر طرح کی رذالت، اخلاقی برائیاں ہوں یا کردار کی برائیاں ہوں یا عقائد کی برائیاں ہوں کون سی ایسی برائی تھی جو ان لوگوں میں نہیں تھی مگر یہ نبی کا کمال تھا کہ جس کسی نے بھی اپنا دل حاضر کیا نبی نے بیک نگاہ اسے روشن کر دیا۔ وَيُزَكِّيهِمْ نبی نے انہیں پاک صاف کر کے اللہ کے روبرو کھڑا کر دیا اور جب ان کے قلوب پاک ہو گئے۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۔ تو پھر اللہ کی کتاب اور اس کتاب کے معانی و مفاہیم خود انہیں یاد کرا دیے یعنی پھر لوگ اللہ کی کتاب کے حافظ بن گئے لوگ اللہ کی کتاب کے معانی کو جاننے لگ گئے میں بات کر رہا ہوں آپ بات کرتے ہیں آپ کہتے ہیں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه نہ آپ کا کمال ہے نہ میرا کمال ہے کس نے بتایا مجھے کس نے سکھایا آپ تک کس نے پہنچایا یہ کمال ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ احسان ہے نسل انسانی پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جس نے اس قوت سے اس بات کو پھیلایا کہ صدیاں گزر گئیں لیکن ہر پیدا ہونے والے

تک یہ آواز برابر پہنچ رہی ہے۔

آپ اندازہ کریں کہ جس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آواز لگائی منوانا یا ماننا تو بعد کی بات ہے اس دن کوئی یہ سوچ بھی سکتا تھا کہ یہ آواز روئے زمین کے ہر آدمی تک پہنچے گی آپ اس زمانے کو ذرہ دھیان میں لائیں وہ دور دیکھیں جب نہ موٹر تھی نہ جہاز تھا نہ ٹیلی فون تھا نہ کار تھی کوئی ذرائع آمد و رفت نہیں تھے کوئی ذرائع ابلاغ نہیں تھے آدمی جہاں پہنچے وہاں جاکر بات پہنچائے اور دور دراز جزیرہ نمائے عرب میں لق و دق صحرا کے درمیان میں ایک چھوٹی سی بستی میں پہاڑی پہ کھڑے ہو کر اللہ کا رسولؐ فرماتا ہے۔

قولوا لا الہ الا اللہ تفلحون۔ لوگوں کہہ دو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔ اے اولاد آدم جب تک دنیا میں بسو گے اور جہاں تک تمہاری آبادی ہے تم سب کے لیے میں ہی اللہ کا رسول ہوں۔ یہ ساری اولاد آدم تک اس بات کا پہنچانا کیا آسان تھا اس وقت تو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ آواز پہنچے گی کیسے۔ لیکن اس بات میں کتنی قوت تھی اس بات کا اندازہ اس بات سے لگا لو کہ پندرہ سو سال ہونے کو آئے دنیا کے کسی گوشے میں چلے جاؤ آپ کو یہ آواز ضرور سنائی دے گی ہر گوشے میں ہر جنگل میں ہر وادی میں ہر صحرا میں ہر بیابان میں تو رسول کی بعثت کے چار مقاصد چار فرائض نبوت قرآن نے بیان کر دیے۔

سب سے پہلا یہ کہ رسول مبعوث ہی اس لیے ہوتا ہے کہ بندوں کو اللہ کی بات پہنچائے دوسرا کوئی بندہ اللہ کی بات سننے کی حیثیت ہی نہیں رکھتا جرأت ہی نہیں رکھتا ہمت ہی نہیں رکھتا پھر صرف بات پہنچا کر بس نہ کر دے جو اس کا پیغام قبول کریں ان میں وہ قوت پیدا کر دے وہ پاکیزگی انہیں عطا کر دے کہ وہ اللہ کا حکم ماننے کی اہلیت حاصل کر لیں اور اللہ کی نافرمانی سے نکل کر اللہ کی اطاعت میں چلا جائے اور اسے وہ شعور عطا کر دے کہ وہ اللہ کی باتوں کو ان کے معانی کو ان کے مفاہیم کو سمجھنے لگ جائے یہ کام ہوتا ہے نبی اور رسول کا

اور نبی اور رسول کے ساتھ لگنے والوں کو دنیوی فوائد ہوتے ہیں اور بے شمار ہوتے ہیں لیکن اگر انہیں دنیوی نقصان ہو تو وہ نبی اور رسول کو چھوڑ نہیں دیں گے کیونکہ رسول دنیا دینے کے مبعوث نہیں ہوا۔ ایسے بھی نبی مبعوث ہوئے ہیں جن کے ساتھ لوگ جتنوں نے کلمہ پڑھا ان کو بھی کافروں نے شہید کر دیا اور سارے کلمہ گو بھی شہید کر دیئے گئے ایسے رسول بھی تھے دنیا میں ایسے بھی رسول دنیا میں گزرے ہیں جنہیں کافروں نے بستیوں سے نکال دیا ایذائیں دیں جنہیں تکلیفیں دیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تیرہ سالہ مکی زندگی میں کونسی تکلیف ہے جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کو برداشت نہیں کرنی پڑی تین سال تک مکے کی ایک وادی میں ان مسلمانوں کو بھی جو ایمان لائے تھے اس طرح بند کر دیا گیا کہ کوئی شخص دانہ پانی دینے کو، بیچنے تک کو تیار نہیں تھا تمام اہل مکہ نے یہ معاہدہ کر لیا کوئی شخص نہ انہیں کوئی چیز دے گا نہ ان سے کوئی چیز لے گا تین سال تک حتیٰ کہ بعض روایات میں ملتا ہے کہ مشکیزوں کے پرانے چمڑوں تک ابال کر انہیں کئی کئی دن بعض لوگوں نے کھایا سوکھے ہوئے مشکیزے کے چمڑے گلا گلا کر بھی کھائے لیکن کیا اس حال میں انہوں نے نبی کو چھوڑ دیا کیا انہوں نے یہ کہا کہ آپ کی بعثت سے تو ہم پر بھوک مسلط ہو گئی ہے نہیں انہیں پتہ تھا کہ نبی علیہ السلام راشن تقسیم کرنا آپ کے فرائض میں سے نہیں ہے آپ نے ہمیں وہ دیا جو کوئی بھی نہیں دے سکتا اس بھوک اور افلاس کے ساتھ جب وہ سر زمین پر رکھتے تھے تو ان کے دلوں پر تجلیات باری برستی تھیں جن کی لذت پر وہ سارے جہان کی تکلیفیں بھول جایا کرتے تھے۔

کے قدموں میں ڈھیر کر دیا یہ اللہ کی مرضی یعنی نبی کے طفیل دنیوی فوائد بھی بے شمار ہوتے ہیں لیکن وہ شرط نہیں ہوتے اگر ہوں تو اللہ کا احسان ہے نہ ہوں تو دین شرط ہوتا ہے نبی کا فریضہ ہوتا ہے اللہ کا پیغام پہنچانا اور بندوں میں اس پیغام کو سمجھنے کی استعداد پیدا کرنا اور انہیں اس پر عمل کرنے کی توفیق ارزاں ہو جائے یہ نبی کی برکات میں سے ہوتا ہے نبی کے ساتھ رہنے سے یہ کمال حاصل ہوتا ہے۔

اب آیئے اس سوال کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ ولایت کیا ہوتی ہے ؟ ولی کس کو کہتے ہیں ؟ ولی اللہ عرفاً تو کہا جاتا ہے اس کا معنی تو بنتا ہے اللہ کا دوست یاد رکھیں قرآن کی اصطلاح میں ہر مسلمان ولی اللہ ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر کلمہ گو ولی اللہ ہے اور جو ولی اللہ نہیں ہے اسے اپنے کلمے پر خود تحقیق کرنی چاہیئے کہ کیا کلمہ اس نے صدق دل سے پڑھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن خود کہتا ہے اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اللہ ولی ہے ہر اس شخص کا جو ایمان لاتا ہے اس کا معنی تو یہ ہوا کہ ہر ایمان لانے والے کو ولی اللہ ہونا چاہیئے اگر ہمیں اللہ کی ولایت حاصل نہیں ہے، تو پھر ایسی بات ہوگی کہ ایمان لانے میں کوئی کمزوری ہوگی۔ اگر ایمان درست ہوگا تو اللہ کی ولایت ضرور نصیب ہوگی اسے ولایت عامہ کہتے ہیں جو ہر مسلمان کے لیے ہے اور ایک درجے میں ہر مسلمان ولی ہے۔

مرد ہو عورت ہو بچہ ہو بوڑھا ہو جسے نور ایمان نصیب ہے وہ ولی اللہ ہے اس لیے مسلمان کا ایک خاص احترام ہے اس کی غیبت نہ کی جائے اس پر جھوٹ نہ باندھا جائے اس کا مال نہ لوٹا جائے اسے ایذا نہ دی جائے اسے پریشان نہ کیا جائے یہ سارے احترامات اسی لیے ہیں کہ وہ اللہ کا دوست ہے۔ اللہ کی طرف سے اسے ایک خاص عزت ایک خاص احترام ایک مرتبہ حاصل ہے۔

اس سے آگے کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں ایمان لانے کے بعد کبھی اطاعت کرتے ہیں کبھی ڈگمگا جاتے ہیں دنیا کی طرف چلے جاتے ہیں لیکن ایمان رہتا ہے باقی لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ کچھ لوگ ہوتے ہیں جو کہتے ہیں ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ پہاڑ ٹل جائے وہ اپنی بات سے نہیں ٹلتے پھر وہ اللہ کا دروازہ نہیں چھوڑتے اعلان کرنے کے بعد وہ پیچھے نہیں ہٹتے پھر وہ اس عہد کو نبھاتے ہیں اللہ فرماتے ہیں وہ ایسے بندے ہوتے ہیں۔ تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ۔ ان لوگوں کی زیارت کو تو فرشتے بھی آتے ہیں ایسے بندے اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے لیے تو آسمانوں سے فرشتے بھی آتے ہیں اور انہیں بشارت دیتے ہیں ان کے ساتھ باتیں کرتے ہیں انہیں کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں دنیا میں بھی فرشتے ان سے کہتے ہیں جی ہم تمہارے ساتھ رہنا باعث فخر سمجھتے ہیں باعث عزت سمجھتے ہیں تم اکیلے نہیں ہو اگر ساری انسانیت بھی تمہیں چھوڑ دے تو خود کو اکیلے نہ سمجھنا اللہ کے فرشتے جو تمہارے ساتھ ہیں وہ ایسے عجیب لوگ ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں ہم صرف دنیا میں نہیں ہم اخروی زندگی میں بھی تمہارے رفیق ہیں تم قبر کی تاریکیوں میں روشنی پاؤ گے تم قبر کی تنہائیوں میں ہمیں ساتھ دیکھو گے ہم تمہارے ساتھ ہیں دنیا میں بھی آخرت میں بھی اور تمہیں خوش رہنا چاہیئے کہ آخرت میں تو تمہارے لیے یہاں کی نسبت بہترین نعمتیں ہیں۔ جنت مبارک ہو تمہیں تو اس کے وارث ہو۔ تمہیں تو اس کے مستحق لوگ ہو۔

یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو تعلیمات نبوی میں ڈبو دیتے ہیں جن کا اپنا کچھ نہیں ہوتا وہ اپنے ذہن سے سوچتے نہیں اپنے دل میں

خواہش نہیں رکھتے جو سوچتے بھی نبی کے حکم سے ہیں اور جو آرزو بھی وہی کرتے ہیں جس کا حکم نبی دیتا ہے اور کام بھی وہ ہے کرتے ہیں جن کی اجازت بارگاہ نبوت سے ملتی ہے۔

جو قرآن میں حدیث میں اللہ کے دین میں موجود ہے اور یہ بھی یاد رکھ لو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پورا دین اپنی زندگی میں پہنچا دیا۔ یعنی دین وہی ہے جو آپ دنیا میں مخلوق کو عطا کر کے دنیا سے آپ نے وصال فرمایا۔ انہیں ہم ولایت خاصہ میں گردانتے ہیں اور امت میں بہت سے ممتاز لوگ ہیں یہ ایک بہت بڑی فہرست ہے جسے کوئی بھی جھٹلا نہیں سکتا جن کے نام پوری امت میں اجماع ہیں پوری امت متفق و متحد ہے ان کی کرامات اور برکات سورج کی طرح روشن ہیں لیکن ان سب کا کام وہی ہے کیونکہ انہیں وہ ولایت ملی ہی اسی کام کے لیے ہے۔ اسی کام کا انعام ہے اسی لیے انہیں ولی کہتے ہیں۔

اور اگر دنیا کی دولت چاہیئے تو کسی یہودی کے پاس جاؤ کسی ہندو ساہوکار کے پاس جاؤ لاہور میں کنجروں کے ساتھ مل جاؤ سب سے زیادہ دولت کما لو گے کوئی زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی دو طبلے لے لو اور چھ مہینے بجانا شروع کرو روپے کما لو گے۔ ایک سارنگی بجانا سیکھ لو کروڑوں روپے کما لو گے۔ کیا ضرورت ہے کسی کا احسان اٹھانے کی یہ تو بے وقوف قوم ہے اس سے فائدہ لینے کے لیے تو کچھ بھی کر لو۔

یہاں ان کے دعوے دار تو وہ ہیں جو ڈراموں میں اور فلموں میں ایکٹنگ کرتے ہیں وہ اس قوم کے پیر و مرشد ہیں یہ ان کے پرستار کہلاتے ہیں اور دیکھوں یہ مسلمان ہیں اور یہ ان کے پرستار کہلاتے ہیں نہ پہلے انہیں کنجر کہا جاتا تھا اب یہ انہیں ستارے کہتے ہیں آسمانی مخلوق سمجھتے ہیں۔

اس قوم سے اگر پیسہ ہی لینا ہے تو ولایت کا لبادہ اوڑھ کر پیسے مت لو اور اگر آپ کو کسی ولی کی تلاش ہے تو اس میں وہ خصوصیات تلاش کرو جو نبی کے معجزات سے ہوں جو نبی کے کمالات سے ہوں وہ تو ولایت نام ہی نبی کی وراثت کا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ہم انبیاء کی وراثت درہم و دنیا نہیں ہوتے حتیٰ کہ خود نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیوی مال میں ایک درہم وراثت نہیں چھوڑی آپ کے وجود اطہر کا لباس آپ کی زرہ آپ کی تلوار یا آپ کے گھوڑے یا آپ کی سواری کے جانور جو رہے وہ خاندان کے مختلف افراد کو بطور انعام عطا کر دیے گئے بطور وراثت تقسیم نہیں ہوئے اس لیے کہ نبی کا کوئی دنیاوی مال ورثہ ہوتا نہیں۔ نبی کا ورثہ ہی یہ ہوتا ہے جسے آپ دین کہتے ہیں اور ہر وہ شخص اس کا وارث ہے جو خلوص سے اس چیز کو اپنا لے اب کس نے کتنے خلوص سے اپنایا اسے وہ ولایت نصیب ہو جاتی ہے۔۔

یہ بڑی عجیب اور سادہ قوم ہے کہ جو شخص آپ کو کہتا ہے میں آپکو دنیا کا نفع لے کر دونگا وہ اپنی دنیا کے لیے آپ کا محتاج کیوں ہے جو لوگ اپنی شام کی ہانڈی کے لیے میرے اور آپ کے محتاج ہیں وہ ہمیں کروڑوں روپے کہاں سے دیں گے جو دو دو چار چار دس دس پانچ پانچ ہم دیتے ہیں اس سے ان کا کام تو ہو جاتا ہے ہمارا کام کرنے والا اللہ ہے ان کا بھی بہانہ بن جاتا ہے۔

میں نے ایک دفعہ ایک آدمی سے پوچھ لیا باتوں باتوں میں کہ یہ جو تم نے ڈھونگ بنا رکھا ہے تمہاری دعا سے لوگوں کو اولاد مل جاتی ہے یہ تو ایک بڑا طے شدہ نظام ہے رب العالمین کا جس میں کوئی آدمی فالتو پیدا نہیں ہو سکتا اور کوئی ایک آدمی اس سے کم نہیں ہو سکتا ہر شخص کا ایک معین وقت ہے جب کسی کو جانا ہے وہ جائے گا جب تک اسے رہنا ہے وہ رہے گا اس میں تم کیا کرتے ہو۔ کہنے لگا تم بھی سادے ہو کیوں؟ کہنے لگا

میں نے سو ایک سو بیس آدمی کو دعا دی تو اس میں دو چار دس کو تو اولاد مل ہی جاتی ہے جن کو نہیں ملتی ان کو تو پوچھتا کوئی نہیں جن کو ہو جاتی ہے ان سے ہماری شہرت ہو جاتی ہے یعنی ریسکا لوجیکلی وہ بھی جانتے ہیں کہ اس کے پیچھے کیا دلائل ہوں۔

یہ بڑی سادہ سی بات ہے آرام سے سمجھ لیجئے کہ خدا نے کوئی نبی دنیوی امور کے لیے مبعوث نہیں کیا بلکہ ہر نبی نے دنیا کے کام کرنے کا وہ طریقہ بتلایا جو اللہ کو پسند تھا اور مومن کی دنیا کو بھی دین بنا دیا یعنی مومن جو دنیا کا کام کرتا ہے وہ بھی آخرت کے لیے کرتا ہے اور وہ بھی دین شمار ہوتا ہے۔

ولی وہ ہوگا جو آپ کو مجھے آخرت کی تیاری میں لگا دے ہمارے اندر وہ جذبہ پیدا کر دے کہ ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے اس دنیا کی آبادی کا فکر کرنے لگ جائیں اسے ہم ولی تسلیم کریں گے خواہ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے ہوں خواہ اس کے پاس ایک پیسہ نہ ہو خواہ وہ پیدل چلنے والا ہو لیکن اگر آخرت کی فکر نصیب نہیں ہوگی تو دنیا کا کام تو کافروں کا بھی ہو رہا ہے جانوروں کا بھی ہو رہا ہے دین و بدکاروں کا بھی ہو رہا ہے پھر ہمارے لیے اسلام کافی ہے اس پر مزید کسی پیر کا بوجھ لادنے کی کیا ضرورت ہے اگر کافر کے کام بغیر پیروں کے ہو رہے ہیں تو مسلمان کو ایک مصیبت اپنے سر پر بٹھانے کی کیا ضرورت ہے کیا تک ہے اس کا۔

تو سب سے پہلے تو ہمیں اپنی اصلاح کرنی چاہیئے کہ جب ہم نے ایمان قبول کیا تو سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں تلاش دین کی ایمانی حقائق کی کرنی چاہیئے جب ہم نے ایمان قبول

اللہ

جب میں اس حقیقت سے آگاہ ہوا کہ "کلام وہ ہے جب قلب سے ہو" تو میں نے تیس سال کی نمازوں کا اعادہ کیا۔ اس کے بعد تیس سال تک یہ التزام کیا کہ جس وقت بھی نماز کے اندر دنیا کا خیال آجاتا تو دوبارہ نماز ادا کرتا۔ اور اگر آخرت کا تصور آجاتا تو سجدہ سہو کرتا۔

(حضرت جنید بغدادی)

ھُو

کیا تو اللہ کریم فرماتے ہیں جیسے کوئی مجھ سے امیدیں رکھتا ہے میں ویسا ہی اس سے سلوک کرتا ہوں۔ اگر تمہیں مجھ پہ بھروسہ نہیں ہے تو میں بھی تمہاری مدد نہیں کروں گا کیونکہ پکڑ کر زبردستی اپنے دروازے پہ لے آؤں۔ انسان کو شعور بخشا گیا اور کتنا احسان ہے اس کا کہ کتاب ایسی دی جس جیسی کتاب آسمان کے نیچے کوئی دوسری نہیں ہے رسول ایسا عظیم الشان مبعوث فرمایا جو اپنی نظیر آپ ہے کائنات میں اس جیسا دوسرا نہیں ہے اب اس سے زیادہ ہدایت کا سبب اور کونسا ہو سکتا ہے اب اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر ہم اوروں کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیں تو ایسے لوگوں کی بچنے کی کوئی سبیل ہے۔

یاد رکھو ہم سب کو اللہ کے حضور پیش ہونا ہے اس کے سامنے جواب دینا ہے اور جب اس کی طرف سے بلاوا آتا ہے تو آپ دیکھ لیں سربراہ مملکت کو بلایا تو کوئی روکنے والا نہیں تھا ہزاروں ایجنسیاں ہوتی ہیں کنٹرول کرنے والی ہزاروں طرح کی احتیاطیں ہوتی ہیں سب کچھ ہوتا ہے لیکن کوئی بھی تقدیر الٰہی کو نہیں روک سکتا ہے جب اس کی طرف سے حکم آتا ہے تو آن واحد میں کایا پلٹ جاتی ہے جو لوگ برسوں تک حکمران تھے آج ان کے پاس شاید چند لوگ ہی جائیں افسوس کے لیے شاید کوئی جائے یا نہ جائے یہ اللہ کا نظام ہے دنیا میں بڑے بڑے افراد آتے ہیں چلے جاتے ہیں لیکن اس کی کائنات میں کوئی فرق نہیں پڑتا لوگ کہہ رہے تھے کیا ہوگا کچھ بھی نہیں ہوگا ہزاروں لوگ آئے لاکھوں آئے چلے گئے کچھ بھی نہیں ہوگا اس کی

کائنات کو کوئی فرق نہیں پڑے گا اس کا نظام جب تک اسے باقی رکھنا ہے اس طرح سے چلتا رہے گا۔ کسی فرد کے آنے جانے سے اس کے نظام میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کیونکہ وہ خود چلا رہا ہوتا ہے

ہمارے ساتھ کیا ہوگا جو کچھ ہم اللہ سے امید کرتے ہیں جو کچھ ہم اپنے لیے کر رہے ہیں جیسے ہمارے تعلقات اللہ سے ہیں اللہ ہمیں معاف فرمائے اگر ہمیں اپنی بہتری چاہیئے اس دنیا میں بھی اس دنیا میں بھی ہمیں اپنا معاملہ رب کریم کے ساتھ درست کرنا چاہیئے اور ہر اس آدمی کے قریب جانا چاہیئے

جو ہمیں اللہ کے قریب کردے اسی کو ولی اللہ کہتے ہیں

اور جو اللہ سے غافل کردے اور دنیا کے دھندوں میں الجھا دے کہ یہ کرنے سے تمہیں اتنی دولت مل جائے گی میاں جن کے پاس دولت ہوتی ہے وہ تو کسی کو ایک دوّنی بھی نہیں دیتے۔ جن کے پاس نہیں ہوتی وہ لوگوں کو نسخے بتاتے رہتے ہیں اور اس کے طفیل خود دولت لوگوں سے سمیٹ لیتے ہیں ان کی دولت وہی ہوتی ہے جو وہ لوگوں کو بتا کر لے لیتے ہیں۔

آپ بازار سے خریدنے جائیں تو آپ کو سونا بنانے کے نسخوں کی بڑی کتابیں ملیں گی کوئی ان عقل کے اندھوں سے پوچھے کہ اگر ان لکھنے والوں کو بنانا آتا تو خود کتاب لکھ کر تم سے پیسے لیتا۔ خود کیوں نہیں بنا لیتا یعنی جو کچھ لکھ کر کتاب بیچتا ہے کتاب کے پیسے کما کے روٹی کھاتا ہے آپ اس کی کتاب پڑھ کے سونا بنا لیں گے، کتنی عجیب بات ہے۔

ولایت انبیاءؑ کی وراثت ہوتی ہے اور ہر وہ شخص ولی اللہ ہے جو ایسا درد دے دے دل کو جس کی دوا یاری ہو ایسا فکر دے دے جس میں تسکین اللہ کی اطاعت سے آتی ہو اور حضور کی سنت سے آشنا کردے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پہ چلا دے تاکہ دنیا بھی سدھر جائے اور آخرت کی رسوائی سے انسان بچ جائے اس کے علاوہ کسی طرف بھی لگاتا ہے تو وہ ٹھگ ہے پہلے زمانے میں تھا آج ہو یا کوئی بعد میں دعوٰی کرے۔

ولایت میں اور تصوف میں فنا فی الرسول ایک مراقبہ ہے اگر واقعی کسی کو اللہ کی دین ہو اور ایسے لوگ تاریخ میں صدیوں بعد کبھی کبھی دنیا کے گوشے میں پائے جاتے ہیں عام نہیں ہوتے اور صدیوں بعد کوئی ایک آدمی اللہ کریم پیدا کر دیتا ہے پھر صدیاں خالی جاتی ہیں پھر کوئی ایک آدھ آدمی ایسا ہوتا ہے یہ تاریخ میں اسی طرح سے یہ چیز ملتی ہے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو دل میں وہ نور بھر دیتے ہیں کہ جب آنکھ بند کرو تو بارگاہ نبوت تک روشنی نظر آتی ہے جمال مصطفوی نظر آتا ہے اور اس کے طفیل اطاعت پیامر سہل ہوتی چلی جاتی ہے اور جی کرتا ہے اطاعت کرنے کو۔ لطف آتا ہے اطاعت میں۔ اسے فنا فی الرسول کہتے ہیں لیکن یاد رکھو اس کا نرا دعوٰی کرنا مزے دار بات نہیں ہے۔

جو شخص یہ کہتا ہے مجھے فنا فی الرسول حاصل ہے ہر آدمی کہہ سکتا ہے اس کا امتحان یہ ہے کہ اس نے اپنے ساتھ کتنے لوگوں کو یہ دولت تقسیم کی۔ اگر تو اس نے دس بیس پچاس پڑھے لکھے سمجھدار عقلمند انسانوں کو اس سے بہرہ ور کر دیا پھر تو بات ٹھیک ہے اور اگر نرا خود ہی کہتا ہے تو پھر ہمارے پاس اس کو قبول کرنے کی کیا دلیل ہے۔
اور یہ اس طرح کے جتنے دعوے آتے ہیں ان میں ایک

دفعہ انٹرویو پڑھا تھا کہ میں ہر کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر کرتا ہوں یہ سارے فضول ہوتے ہیں ہر کام تو وہ بھی پوچھ کر نہ کر سکے جو حضور صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے صحابی تھے ان سے بھی بعض اوقات غلطیاں ہو جاتی تھیں انسان جو ہے غلطی ہو جاتی ہے۔

اور فنا فی الرسول تو ایک لمحاتی بات ہوتی ہے کوئی لمحہ ہوتا ہے اور ہمیشہ تائید باری کا محتاج ہوتا ہے وہ چاہے وہ عالم منکشف کر دے اور وہ بعض اوقات نہ چاہے کچھ بھی پتہ نہیں چلتا میں نے عرض کیا تھا نہ آپ کو اگلے دن یعقوب علیہ السلام کا واقعہ وہ کسی نے پوچھا تھا نا کہ آپ نے مصر سے یوسفؑ کی خوشبو پالی لیکن کنعان کے کنوئیں میں آپ کو یوسفؑ نظر نہیں آیا مصر سے تو آپ نے خبر لے لی کہ یوسفؑ کی خوشبو ہے۔

اِنِّی لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْ لَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ، کہ آج مجھے یوسفؑ کی خوشبو آتی ہے حالانکہ قاصد مصر سے چلا تھا آپ کنعان میں تھے گاؤں کے کنوئیں میں پڑے تھے تو تب کیوں نہیں بتایا کہ یوسفؑ تو وہاں کنوئیں میں پڑا ہوا ہے تو کہنے لگے

بگفت احوال ما برق جہاں است

کہنے لگے کبھی تو نے بجلی کو چمکتے دیکھا ہے ہمارے مشاہدات اسی طرح ہوتے ہیں

دمِ پیدا دمِ دیگر نہاں است

جس طرح بجلی چمکے جہاں روشن ہو جاتا ہے غائب ہو جائے تو پتہ نہیں ہوتا کہاں سے آئی کہاں گئی۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم۔ کبھی عرش اولیٰ تک ہر چیز کھل جاتی ہے۔
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم۔ کبھی اپنے آپ کی بھی خبر نہیں ہوتی۔

یہ اللہ کی مرضی کہ کس وقت کونسی چیز سے پردہ ہٹا دے اختیار میں نہیں ہوتے مکاشفات و مشاہدات کہ کوئی انسان کہے کہ میں ہر وقت مشورہ کر لیتا ہوں ہر وقت پوچھ لیتا ہوں وہاں آنا جانا اتنا عام بھی نہیں ہوتا ہے کہ وہ ایسی بارگاہ ہے۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید ابو بکرؓ و عمرؓ اینجا

وہاں تو بڑے بڑے اولوالعزم لوگ ابو بکرؓ عمرؓ جیسی ہستیاں دم سادھ کر گزارا کرتی ہیں عشق اور محبت جو ہے نا وہاں وہ بھی پابند ہے ادب و آداب کا۔ ایک ہی بارگاہ ہے جس میں عشق اور محبت بھی اداب کا پابند ہے اس لیے اس طرح کے دعوے کرنا تو آسان ہے لیکن اس کی پرکھ بھی بڑی آسان ہے کہ حضرت یہ صرف آپ ہی کے لیے ہے یا دوسرے مسلمانوں کا بھی اس میں حصہ ہے تو ظاہر ہے پتہ چل جاتا ہے سمجھ آ جاتی ہے۔

کسی کے پاس یہ نعمت ہو تو یہ کسی ایک کی جاگیر نہیں ہے یہ عامۃ المسلمین کا انعام ہے کہ جو بھی خلوص سے حاصل کرنا چاہے اس کے لیے عام ہونا چاہیے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کا حصہ ہے جو آخرت کی تیاری کرتے ہیں جو اللہ کے لیے جیتے ہیں اللہ کے لیے مرتے ہیں اور اللہ کے دروازے پہ اپنی عمر بسر کر دیتے ہیں۔

اور آخر میں یہ گذارش کروں گا کہ آپ اور جو بہت سی دعائیں کریں گے تو ملک کے لیے بھی ملک کی بہتری کے لیے بھی اللہ کی رحمت طلب کریں اور جانے والے حضرات جو صدر صاحب کے ساتھ شہید ہوئے کیونکہ اس بات میں تو کوئی شبہ نہیں خواہ وہ جیسے بھی تھے اسلام دشمن طاقتوں نے اللہ کی راہ میں انہیں شہید کر دیا اس میں تو کوئی شبہ نہیں ہے یہ بھی ان کی خوش نصیبی ہے خوش قسمت لوگ شہادت پاتے ہیں تو آج کی دعاؤں میں آپ ان کو شریک کیجئے۔

فضائلِ ذکر

محمد سعید اللہ

کیا ایمان والوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کیلئے جھک جائیں۔

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ عَمَّ نَوَالُہٗ کا پاک نام جو برکت، لذت، حلاوت، سرور، طمانیت ہے وہ کسی ایسے شخص سے مخفی نہیں جو کچھ دن اس کے پاک نام کی رٹ لگا چکا ہو اور ایک زمانہ تک اس کو حرزِ جان بنا چکا ہو۔ یہ پاک نام دلوں کا سرور اور طمانیت کا باعث ہے۔ خود حق تعالےٰ شانہٗ کا ارشاد ہے۔

ترجمہ: خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔

آجکل عام طور پر عالم میں پریشانی ہے۔ میرے محترم حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ کے پاس جو ڈاک آتی ہے تو روزانہ ڈاک میں اکثر و بیشتر مختلف نوع سے پریشانیوں کا تذکرہ اور تفکرات کی ہی داستان ہوتی ہے۔ اس رسالہ (المرشد) کا مقصد یہی ہے جو لوگ پریشان حال ہیں خواہ انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر ان کو اپنے درد کی دوا معلوم ہو جائے اور اللہ کے ذکر کے فضائل کی عام اشاعت سے سعید و مبارک ہستیاں بہرہ مند ہو جائیں۔

کہ اس مضمون کو پڑھنے سے کسی کو اس پاک نام لینے کی توفیق ہو جائے اور مجھ ناکارہ و بے عمل کے لیے بھی ایسے وقت میں کام آ جائے جس وقت صرف اعمال ہی کام آتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک محرک یہ بھی پیش آیا کہ حق تعالےٰ نے اپنے لطف و احسان سے میرے محترم حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ صاحب کو تبلیغ ذکر میں ایک خاص ملکہ اور جذبہ عطا فرمایا

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کوہستانی

جن کی سرگرمیاں نہ صرف پاک و ہند بلکہ پوری دنیا میں پہنچ چکی ہیں۔ کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کے ثمرات سے کتنی مخلوق کو فیض پہنچا۔ یہ کوئی مخفی بات نہیں۔ ان کے اصول تبلیغ ہی نہایت پختہ، مضبوط اور ٹھوس ہیں۔ جن کے لیے عادتاً ثمرات و برکات لازم ہیں ان میں اہم ترین اصول کے لوگ ذکر کا اہتمام کریں اور ذکرِ الٰہی کی کثرت کی جائے۔

اس ضابطہ کی برکات آنکھوں سے دیکھیں اور کانوں سے سنیں۔ جس کی وجہ سے اس کی ضرورت خود بھی محسوس ہوتی ہے۔ ارشاد ہوا کہ فضائل ذکر کو ان لوگوں تک پہنچایا جائے تاکہ جو لوگ محض تعمیل ارشاد اس کا اہتمام کرتے ہیں وہ اس کے فضائل معلوم ہونے کے بعد خود اپنے شوق سے اس کا اہتمام کریں۔ اللہ کا ذکر بڑی دولت ہے۔ اس کے فضائل کا احاطہ ممکن ہی نہیں۔

اللہ تعالٰے کے پاک ذکر میں اگر کوئی آیت یا حدیث نبویؐ نہ بھی وارد ہوتی تب بھی اس منعم حقیقی کا ذکر ایسا تھا کہ بندہ کو کسی آن بھی اس سے نہ غافل ہونا چاہیئے تھا۔ اس ذات پاک کے انعام واحسان اتنے کثیر ہیں جن کی نہ کوئی انتہاء ہے نہ مثال ایسے منعم کا ذکر اس کی یاد اس کا شکر اور اس کی احسان مندی فطری چیز ہے۔

لیکن اس کے ساتھ جب قرآن مجید وحدیث اور بزرگوں کے اقوال واحوال اس پاک ذکر کی ترغیب وتحریص سے بھرے ہوئے ہیں تو پھر کیا پوچھنا اس پاک ذات کی برکات کا اور کیا ٹھکانہ ہے اس کے انوار کا اہتمام اول چند آیات پھر چند احادیث اس مبارک ذکر کے متعلق پیش کرتا ہوں۔

آیات ذکر میں

(1) ترجمہ:۔ بس تم میری یاد کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور ناشکری نہ کرو۔

(سورہ بقرہ رکوع 18)

(2) ترجمہ:۔ اور کثرت سے اپنے رب کو یاد کیا کرو اور صبح وشام تسبیح کیا کیجئے۔ (آل عمران رکوع 4)

(3) ترجمہ:۔ (پہلے سے عقلمندوں کا ذکر ہے) وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالٰی کو یاد کرتے ہیں۔ کھڑے بھی، بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی اور آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں۔ (اور غور کے بعد یہ کہتے ہیں) کہ اے ہمارے رب آپ نے یہ سب بیکار تو پیدا نہیں کیا۔ ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں، آپ ہم کو عذاب جہنم سے بچا لیجئے۔

(سورۃ آل عمران رکوع 20)

(4) ترجمہ:۔ اور اس کا ذکر بڑی چیز ہے۔

(عنکبوت رکوع 5)

(5) ترجمہ:۔ بیشک بامراد ہو گیا وہ شخص جو (برے اخلاق سے) پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا

(اعلیٰ رکوع 1)

احادیث ذکر میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص اللہ کا ذکر کرتا رہا جو نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ اور مردے کی سی ہے کہ ذکر کرنے والا زندہ ہے ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔" (بخاری شریف، مسلم، مشکوٰۃ)

ارشاد نبویؐ:۔

"کہ اگر ایک آدمی کے پاس بہت سے روپے ہوں اور وہ ان کو تقسیم کر رہا ہو۔ اور دوسرا شخص اللہ کے ذکر میں مشغول ہو تو ذکر کرنے والا افضل ہے۔"

(اخرجہ الطبرانی)

ارشاد نبویؐ ہے۔

"جنت میں جانے کے بعد اہل جنت کو دنیا کی کسی چیز کا قلق اور افسوس نہیں ہو گا۔ بجز اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر گزر گئی۔" (بخاری شریف)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمام اعمال میں بہترین چیز ہے اور تمہارا مالک کے نزدیک سب سے پاکیزہ اور تمہارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور سونے چاندی کو (اللہ کے راستے میں) خرچ کرنے سے زیادہ بہتر اور جہاد میں (تم دشمنوں کو قتل کرو اور وہ تمہیں قتل کریں) اس سے بھی بڑھی ہوئی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ضرور بتا دیں آپؐ نے ارشاد فرمایا اللہ کا ذکر ہے۔

یہ عام حالت اور ہر وقت کے اعتبار سے ارشاد فرمایا ہے ورنہ وقتی ضرورت کے اعتبار سے صدقہ وجہاد وغیرہ امور سب سے افضل ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض احادیث میں ان چیزوں کی فضیلت بھی بیان فرمائی گئی ہے

ان کی ضرورت بھی وقتی ہیں۔ اور اللہ کا ذکر دائمی چیز ہے اور سب سے زیادہ اہم اور افضل۔ ایک حدیث آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر چیز کے لیے کوئی صاف کرنے والی اور میل کچیل دور کرنے والی چیز ہوتی ہے (مثلاً کپڑے اور بدن کے لیے صابن لوہے کے لیے آگ کی بھٹی وغیرہ) دلوں کی صفائی کرنے والی چیز اللہ کا ذکر ہے اور کوئی چیز اللہ کے عذاب سے بچانے والی اللہ کے ذکر سے بڑھ کر نہیں۔ اس حدیث میں چونکہ ذکر کو دل کی صفائی کا ذریعہ اور سبب بتایا گیا ہے اس سے بھی اللہ کے ذکر کا سب سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے ہر عبادت اسی وقت عبادت ہو سکتی ہے۔ جب اخلاص سے ہو۔ اور اس کا مدار دلوں کی صفائی پر ہے۔ اسی وجہ سے بعض صوفیاء نے کہا کہ اس حدیث میں ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے نہ کہ زبانی ذکر اور ذکر قلبی یہ ہے کہ دل ہر وقت اللہ کے ساتھ وابستہ ہو جائے اور اس میں کیا شک ہے کہ یہ حالت ساری عبادتوں سے افضل ہے۔ اس لیے جب یہ حالت ہو جائے تو پھر کوئی عبادت چھوٹ ہی نہیں سکتی کہ سارے اعضاء ظاہر و باطنہ دل کے تابع ہیں۔ جس چیز کے ساتھ دل وابستہ ہو جاتا ہے سارے ہی اعضاء اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ عشاق کے حالات سے کون بے خبر ہے۔ اور بھی بہت سی احادیث میں ذکر کا سب سے افضل ہونا وارد ہوا ہے۔ حضرت سلیمان رضؓ سے کسی شخص نے پوچھا سب سے بڑا عمل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم نے قرآن نہیں پڑھا، قرآن پاک میں ہے۔

کوئی چیز اللہ کے ذکر سے افضل نہیں حضرت سلیمانؓ نے جس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ۲۱ ویں پارے کی پہلی آیت ہے صاحب مجالس الابرار کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اللہ کے ذکر کو صدقہ اور جہاد اور ساری عبادات سے اس لیے افضل فرمایا کہ اصل مقصود اللہ کا ذکر ہے اور ساری عبادتیں اس کا ذریعہ اور آلہ ہیں اور ذکر بھی دو قسم کا ہوتا ہے ایک زبانی اور ایک قلبی جو زبان سے بھی افضل ہے۔ اور مراقبہ۔ دل کی سوچ ہے اور یہی مراد ہے اس حدیث سے جس میں آیا ہے کہ ایک گھڑی کا سوچنا ستر برس کی عبادت سے افضل ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت سہل رضؓ حضور اقدس سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ کا ذکر اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے سات لاکھ حصہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ صدقہ اور جہاد وغیرہ جو وقتی چیزیں ہیں وقتی ضرورت کے اعتبار سے ان کی فضیلت بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان احادیث میں کوئی اشکال نہیں جن میں ان چیزوں کی زیادہ فضیلت وارد ہوئی ہو۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ تھوڑی دیر اللہ کے راستے میں کھڑا ہونا اپنے گھر پر ۷۰ سال کی نماز سے زیادہ افضل ہے۔ حالانکہ نماز بالاتفاق افضل ترین عبادت ہے۔ لیکن کفار کے ہجوم کے وقت جہاد اس سے بہت زیادہ افضل ہو جاتا ہے۔

حدیث نبویؐ ہے تین افراد کی دعا رد نہیں ہوتی۔ (بلکہ ضرور قبول ہوتی ہے) ایک وہ جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے دوسرا مظلوم، تیسرا وہ بادشاہ جو ظلم نہ کرتا ہو۔

چند اور فضائل ملاحظہ ہوں۔

ذکر شیطان کو دفع کرتا ہے۔ اور اس کی قوت کو توڑتا ہے۔

دل سے فکر و غم دور کرتا ہے اللہ کی خوشنودی کا سبب ہے دل میں فرحت، سرور اور انبساط پیدا کرتا ہے۔

بدن اور دل کو قوت بخشتا ہے۔

چہرے اور دل کو منور کرتا ہے۔

رزق کو کھینچتا ہے۔

دل میں ایک خاص قسم کی قسوت (سختی) ہے جو ذکر کے علاوہ کسی چیز سے نرم نہیں ہوتی۔

ذکر دل کی بیماریوں کا علاج ہے ذکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی کی جڑ ہے اور ذکر سے غفلت اس کے ساتھ دشمنی کی جڑ ہے۔

ھمیں کِس کے ساتھ چلنا ھے؟

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

چودھویں پارے میں سورۃ النحل کی آیاتِ مبارکہ میں بڑا معرکۃ الآرا مسئلہ ارشاد فرمایا گیا ہے جو انسانیت کے لیے ایک بہت بڑی مصیبت بنا ہوا ہے کہ لوگ ایمان سے بے بہرہ اور کفر کی تاریکیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان آیات میں وہ لوگ بھی مخاطب ہیں جنھیں نورِ ایمان نصیب ہوا۔ صرف یہی نہیں بلکہ حضورؐ کی کفایت، اللہ جل شانہٗ کی پسند، اللہ جل شانہٗ کی ناپسند، اچھائی اور برائی میں تمیز، نیکی کا داعیہ اور برائی کی طرف متوجہ کرنے والی واحد اللہ کی نافرمان ہستی شیطان یا ابلیس کے بارے میں بھی معلومات دی گئی ہیں۔

جیساکہ قرآن حکیم و احادیثِ مبارکہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ شیطان ایک ملعون کا نام ہے۔ اللہ کی مخلوق ہے جنوں میں سے ہے اور اس کا نام ابلیس تھا اللہ کی نافرمانی و تکبر پر اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ سے رد کیا گیا ہے۔ رد کیے جانے پہ اس نے مہلت چاہی خلق خدا کو گمراہ کرنے کی جو اسے طویل عرصہ تک کیلئے دے دی گئی۔ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اے پروردگارِ عالم میں اولادِ آدم کو ہر طرح سے گمراہ کرنے کی کوشش کرونگا اور یہ میری بات مانے گی تیرے ارشادات کو بھول جائے گی تب سے اب تک اور جب تک یہ جہاں باقی ہے یہ (شیطان) اپنے کام پر لگا ہوا ہے۔ شیطان کے متعلق یہ اطلاع دینے کے ساتھ ساتھ نبی کریمؐ نے اور اللہ جل شانہٗ نے بھی قرآنِ حکیم میں اس سے بچنے کے طریقے اور اللہ کی حفاظت میں رہنے کے ڈھنگ [illegible] ہے۔ لیکن ہماری یہ بدقسمتی ہے کہ ہم کسی جاہل سے جاہل یا ان پڑھ سے [illegible] انسان سے [illegible] معلوم ہے کہ شیطان مجھے گمراہ کرتا ہے لیکن وہ اس سوال پہ [illegible] ہو جاتا ہے کہ آخر تم شیطان کی بات مانتے کیوں ہو؟ کیا رشتہ ہے اس کا تمہارے ساتھ؟ کیا تعلق ہے اس سے تمہارا؟ کیا دوستی ہے؟ کیا واسطہ ہے؟ کیوں اس کی بات مانتے ہو؟ جبکہ ربِ جلیل نے بارہا ارشاد فرمایا کہ وہ تمہارا واضح اور کھلا دشمن ہے اس نے کبھی تمہیں اچھی بات نہیں بتائی۔ ان تمام باتوں کا جواب عموماً یہ ملتا ہے کہ ہم اسے دیکھ نہیں سکتے، وہ ہمارے وجود میں خون کی طرح جاری ہو جاتا ہے۔ وہ ہمارے دل میں ٹھکانا کر لیتا ہے وہ ہماری خواہشات کو بیدار کرتا ہے اور ہمیں طرح طرح کے

خیالوں میں پھنسا لیتا ہے۔

اور واقعی ایک ایسا دشمن جسے ہم دیکھ نہیں پاتے، جسے ہم پکڑ نہیں سکتے جس کی بات بظاہر کانوں کو سنائی نہیں دیتی وہ نہاں خانۂ دل میں بسیرا کر لیتا ہے اور جہاں خواہشات و آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں وہاں اپنا اثر ڈالتا ہے۔

اللہ کریم نے عین سمندر کے درمیان ایک تختے میں باندھ کر پھینک دیا جہاں سینکڑوں فٹ لہریں اٹھتی ہیں اور پانی اچھل اچھل کر دبوچتا ہے اس پر آپ فرماتے ہیں کہ دامن کو بھیگنے سے بچالو۔ ہمارے خیال میں یہ بہت مشکل کام ہے کہ کار دنیا میں رہتے، دنیا کی ضرورتیں، دنیا کی لالچ، طمع اور اس پہ شیطان کے جال، اس کے ایسے حملے جنہیں ہم سمجھ ہی نہیں پاتے جسے ہم اپنی پسند سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ دراصل شیطان کی پسند ہوتی ہے اس کے ہتھکنڈوں سے بچنا بڑا ہی محال، بڑا ہی مشکل ہے۔

اللہ کریم نے ان آیاتِ مبارکہ میں ان سب کا ارشاد فرمایا ہے (ترجمہ) جب آپ قرآنِ پاک کی تلاوت کریں تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں شیطان مردود سے"۔

کیسی بدنصیبی کی بات ہے کہ مومن بھی ہو، نبی کریمؐ سے تعلق بھی نصیب ہو، حضورؐ کی وساطت سے اسے اللہ کا کلام پہنچے اور خود اپنے فائدے کے لیے بھی اسے یہ کلام پاک پڑھنے کی فرصت نہ ملے۔ کیسا مومن ہے یہ؟ کتنی سادہ سی بات ہے کہ کسی کے ساتھ ہمارا تعلق ہو اس کی طرف سے کوئی خط آجائے ہم اسے بہت سنبھال سنبھال کر رکھیں، خوبصورت غلاف میں لپیٹیں، الماری میں سجائیں لیکن اسے ہم پڑھیں نہیں۔ تو ہمارے اس سنبھال کر رکھنے کے کیا معنی؟ ہماری محبت کا یہ کیا طریقہ ہے کہ ہم زندگی بھر اسے پڑھنے کا تکلف ہی نہ کریں، یہ سمجھنا ہی نہ چاہیں کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ یعنی میرے معبود نے میرے محبوب نے کیا فرمایا ہے؟ وہ کہتا کیا ہے؟ دیکھیے نا آخر اتنی بڑی کتاب جس کا اتنا اہتمام کیا گیا کہ اس کے لیے رحمتِ عالمؐ کو مبعوث فرمایا گیا۔ انہوں نے پوری دنیائے کفر کا دباؤ برداشت کیا، پوری دنیائے کفر سے مقابلہ کرکے، ان کی ذات نے ایذائیں برداشت کرکے، تکلیفیں برداشت کرکے من وعن ایک ایک لفظ جو انزل من اللہ تھا، اللہ کے بندوں تک پہنچایا۔ ایک ایسی کتاب جسے نازل ہوئے چودہ سو سال ہوئے چودہ صدیاں گزر گئیں اللہ کے بندوں نے اس میں سے کوئی لفظ گم نہیں ہونے دیا۔ سینوں میں، دلوں میں سمو کر رکھا!

ہمیں نور ایمان بھی نصیب ہے الحمد للہ مومن بھی ہیں۔ اس کتاب کو مانتے بھی ہیں احترام بھی کرتے ہیں تو کیسا ماننا ہے کہ ہم اسی اسی سال، سو سو سال تک دنیا میں رہ کر چلے جائیں اور ہمیں یہ خبر تک ہی نہ ہو کہ اس کتابِ مقدس میں لکھا کیا ہے؟ آخر اللہ کریم نے فرمایا کیا ہے ہم سے؟ قرآن اس تصور کی نفی کرتا ہے کہ مومن ہو اور قرآن نہ پڑھے۔ اس آیت کریمہ میں بات کرنے کا انداز ایسا ہی ہے کہ قرآن تو تمہیں پڑھنا ہی ہے اب اتنی بے نیازی بھی کیا کہ تم اللہ کا کلام ہی نہیں پڑھو گے۔ فرمایا جب قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو شیطان مردود سے"، ہم نے اس کا معنی یوں لیا کہ جب تلاوت کی جائے تو شیطان سے پناہ مانگ لی جائے۔ میری سمجھ میں اس کا معنی یہ آتا ہے کہ تلاوت تو تجھے کرنا ہی ہے اور جب بھی تو تلاوت کرے تو اسی وقت شیطان سے پناہ مانگ لیا کر اللہ تعالیٰ حفاظت فرمانے والے ہیں۔ تو اپنے آپ کو اٹھا کر اللہ کی بارگاہ میں پیش کر۔ اب ایسی بھی کیا بات کہ زندگی بیتتی چلی جائے اور آدمی تلاوت کرے ہی نا۔

میں ایک دفعہ ایک دوست کے ڈیرے پر گیا بڑے عہدے پر فائز ہیں وہ۔ تو بات چلی تلاوت کی کہنے لگے "میں نے عادت بنالی ہے کہ میں تلاوت کرکے سوتا ہوں"۔ صبح اٹھنے کی تو ان کی عادت تھی ہی کہنے لگے "میں نے اس میں ایک بات بڑھا لی کہ میں صبح تلاوت کرتا ہوں یوں دن کا آغاز تلاوت سے ہو جاتا ہے اور رات کو بھی تلاوت کرکے سوتا ہوں خواہ چند آیات پڑھ لوں، ایک رکوع یا ایک سیپارہ پڑھ لوں لیکن جتنی بھی فرصت ہو اس کے مطابق پڑھ کر سوتا ہوں"۔ میں نے کہا اس کی وجہ کیا ہے؟ کہنے لگے بڑھاپا آرہا ہے اعضاء و جوارح پر۔ اور یہ تو موت کا قاصد ہوتا ہے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں صبح کو اٹھنا نصیب ہی نہ ہو تو کم از کم جو آخری بات، آخری فعل ہو میرے اعمال نامے میں، وہ اللہ کی کتاب کی تلاوت ہو"۔

تصور یہ ملتا ہے اس آیت کریمہ سے کہ قرآن تو تجھے پڑھنا ہی ہے جب بھی پڑھے شیطان سے پناہ مانگ۔ کہ اللہ جل شانہ

کی۔ اس لیے کہ اللہ کریم فرماتے ہیں شیطان چھپ کر حملہ کرنے کے لاکھ داؤ سہی، لاکھ ترغیبیں دینے کے حیلے سہی لیکن فرمایا إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطٰنٌ یہ یقینی بات ہے کہ اس کا کوئی قابو نہیں ان پر۔ کن لوگوں پر عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جنہیں اللہ پر اعتماد ہے وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ خدا پر توکل کرتے ہیں، بھروسہ کرتے ہیں بات بڑی آسان اور سادہ ہے۔ آسان اس لیے کہ اللہ پر بھروسہ نصیب ہو جائے تو معاملہ ختم ہو گیا اللہ جانے اور شیطان جانے اگر کسی نے بڑا خطرناک قسم کا کتا رکھا ہوا ہے آپ اس کے گھر جاتے ہیں آپ کے پاس لاٹھی ہو، بندوق ہو آپ اپنے ہتھیار کو لیے کتے کے ساتھ جھگڑتے رہیں، جب تک لاٹھی ہلاتے رہیں وہ آپ کو روک کر کھڑا رہے گا چلو آپ بڑی ہمت کریں گے تو وہ آپ کو کاٹے گا نہیں۔ آگے نہیں جانے دے گا اب آپ مالک کو آواز دیکر دیکھیں تو اس کی ایک آواز کتے کو دھمکا دے گی وہ دم دبا کر بھاگ جائے گا مالک باہر بھی نہیں نکلے گا بس اندر ہی سے جھڑک دے گا اور کتا دم دبا کر بھاگ جائے گا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ابلیس میرا کتا ہے تم مجھے آواز دو۔ سادہ سی بات ہے کتے سے الجھنے میں کیا دانشمندی ہے؟ پھر تم کہتے ہو بڑا خطرناک ہے۔ کاٹ کھانے والا ہے، بڑا ظالم ہے یہ سب ٹھیک سہی لیکن میں نے رکھا ہوا ہے تمہیں میرے پاس آنا ہے تو مجھے آواز دو۔ تمہارا کام ختم ہوا۔ اب اگر زندگی بھر ہم اللہ کو پکاریں ہی نہیں تو کتے کا کاٹنے کا شکوہ کس سے کریں گے؟ یعنی جب ہم خود ہی کتے سے الجھے رہیں مالک تک پہنچیں ہی نہیں اسے پکاریں ہی نہیں تو قصور کس کا؟ اللہ کریم فرماتے ہیں میرے تک پہنچتے ہیں وہ لوگ جو مجھ پر بھروسہ کرتے ہیں۔

توکل کا مسئلہ بھی عجیب ہے۔ بعض لوگوں نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ رہنے کو توکل سمجھا یہ توکل نہیں ہے بعض نے دن رات ایک کر دیا اور ساتھ میں توکل کی رٹ بھی لگائے رکھی لیکن جب ذرا سا خلافِ توقع نتیجہ نکلا تو بس بازو تھک گئے اور آس ٹوٹ گئی توکل یہ بھی نہیں ہے توکل تو یہ ہے کہ جو رب جلیل نے فرما دیا اس پر پورا اترو۔ مثلاً امورِ دنیا میں ہم سب کام کرنے کے مکلف ہیں۔ طلبِ رزقِ حلال فرض عین ہے جب تک آدمی باہوش و حواس ہے جو کچھ وہ کر سکتا ہے اسے کرنا چاہیئے لیکن ان اللہ اپنی کوششوں کو رازق نہ سمجھا جائے۔ رزق کی فراہمی اللہ کی طرف سے سمجھی جائے اس طرح اس میں دو باتیں آجائیں گی ایک تو جو کام ہم دنیا کا کرتے ہیں وہ دنیا کا نہ رہا وہ اطاعتِ الٰہی ہو گیا اللہ نے ہم پر فرض کر دیا ہے

دوسرے یہ ہے کہ نتائج جو بھی ہوں وہ ہمارے ذمے نہیں نتائج مرتب کرنا اس کا کام ہے یہ اس کی مرضی ہے جو بہتر ہو گا وہی کرے گا لیکن ہم نے اسے دونوں طرح سے غلط سمجھا کبھی تو ہم کہتے ہیں ہمیں کام کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اللہ دینے والا ہے جبکہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کام کرو دینا میرے ذمے ہے لیکن کام تمہاری ذمہ داری ہے۔ کبھی ہم کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جب ہم نے کام کیا ہے تو اس پہ نتیجہ ضرور حاصل ہونا چاہیئے تو یہ بھی غلط سوچ ہے معاملہ ان دونوں حدود کے درمیان ہے کہ ہمارے ذمے اسبابِ دنیا اختیار کرنا ہے ان پہ نتائج مرتب کرنا اس کا کام ہے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا اپنے اونٹ کا گھٹنا رسی سے باندھنا تمہارا کام ہے اس کی حفاظت کرنا اللہ کا کام ہے تم آوارہ چھوڑ دو اور کہو یہ توکل ہے۔ تو یہ معنیٔ توکل کے منافی ہے جنگِ احد کے لیے جب نبی اکرمؐ تشریف لے جا رہے تھے تو آپ نے زرہیں پہنی ہوئی تھیں۔ تلوار کو ہاتھ میں لینا، زرہ کا پہننا، انسان ان چیزوں کا مکلف ہے جنگ میں فتح دینا اس کا کام ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم مدینہ منورہ میں ہی ہاتھ اٹھا دیتے تو بھی کفار سے جنگ کرنے کے لیے فرشتے نازل ہو جاتے لیکن ۳۱۳ کو ساتھ لے کر ڈیڑھ سو کلو میٹر مدینہ منورہ سے باہر میدانِ بدر میں تشریف لے گئے۔ اب دیکھئے تین سو تیرہ کے پاس دو تلواریں، چھ گھوڑے اور آٹھ زرہیں تھیں لیکن جو کچھ تھا اسے وہاں لے جا کر حضورؐ نے فرمایا "یا خدا جو کچھ میرے پاس تھا وہ حاضر ہے جو میرے بس میں تھا میں وہ لے آیا ہوں اب اسے فاتح بنانا تیرا کام ہے" توکل یہ ہے کہ کام کیا جائے اور پھر اس کے نتائج اس پر چھوڑ دیے جائیں۔

جب ہم نے کام کرنا ہی اس کی اطاعت کے لیے ہے تو بھلا ہم اس کی نافرمانی کا کام کیوں کریں؟ مگر ہم نام اللہ کا لیتے ہیں اور مرضی اپنی چلاتے ہیں یہ بات تو صحیح نہ ہوئی یعنی جب

ہمیں کام کرنا ہی اللہ کے حکم پہ ہے کہ اس کا حکم ہے کام کرو ہم نے کام کرنا ہے تو پھر اس کام کے دوران جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے، شور مچانے کی کیا ضرورت ہے؟ دوسروں کے نتائج دیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اپنا کام کرو لیکن اپنے باطن میں جھانک کر دیکھیں اپنا مال بیچنے سے زیادہ ہم دوسرے کا مال روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پیسے لینے ہوں تو ہم زیادہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سب کے پیچھے توکل کہاں ہے؟ ہمیں یہ نا اللہ سے ناآشنائی کی باتیں ہیں۔ جب ہم مرضی تو اپنی کر رہے ہوتے ہیں پھر توکل کہاں رہا؟

شیطان نے ہم پر سواری کر لی تو کیا برا کام کیا؟ اس کا تو کام ہی یہی ہے وہ تو اپنے کام پر لگا ہوا ہے میں تو کہتا ہوں اللہ ہمیں معاف فرمائے ہم سے تو وہی بھلا رہا۔ برائی پہ جما تو ہوا ہے ہم تو نہ نیکی کے رہے نہ برائی کے۔ دعویٰ نیکی کا کرتے ہیں عمل برائی کی طرف لے جاتا ہے ۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم — نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

تو اللہ کریم فرماتے ہیں شیطان کچھ نہیں بگاڑ سکتا اَنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطٰنٌ یہ یقینی بات ہے کہ اس کا کوئی قابو ان پر نہیں۔ شرط یہ ہے کہ اللہ پر اعتماد ہو، ایمان ہو، اللہ کی عظمت پر یقین ہو اور پھر اللہ پر بھروسہ کرے۔ زمیندار کو دیکھیں تو وہ دو لکیریں اور لگانے کے لیے، دو پھیرے ٹریکٹر کے اور لگانے کے لیے نماز کا وقت نکال دے گا کہ تھوڑا سا کام اور نکل جائے دکاندار کو دیکھیں جو نمازی ہیں وہ بھی دیکھتے رہتے ہیں کہ بالکل نماز نکلنے کا وقت ہوگا تو بھاگ کر پڑھ لیں گے یہ گاہک کھڑا ہے اس سے نمٹ لیں۔ وہ آیا ہے اس سے بھگت لیں۔ صاحب کو دفتر میں دیکھیں تو وہ قلم پہ قلم گھسیٹتا جا رہا ہے اللہ کے حضور حاضر ہونے کی فرصت نہیں۔ بیکار بیٹھے تھے کسی نے منہ میں لے گپ لگا رہے ہوتے ہیں اور اللہ کی عبادت کے لئے اٹھتے نہیں، تاش کھیل رہے ہوتے ہیں۔ گپیں لگا رہے ہوتے ہیں کیا یہ طریقہ شیطان سے بچنے کا ہے؟ پھر اگر ہم اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کر اپنے آپ کو میدان میں پھینک دیں تو دشمن پہ شکوہ کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ اس نے گزرتے ہوئے مجھے ٹھوکر مار دی ہے وہ ٹھوکر نہیں مارے گا تو کیا دعا دے گا وہ تو دشمن ہے کوئی محسن تو نہیں اللہ کریم فرماتے ہیں شیطان کا بس کن لوگوں پہ چلتا ہے اِنَّمَا سُلْطٰنُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَہٗ شیطان کا بس ان لوگوں پر چلتا ہے جو میری اطاعت چھوڑ کر اس کا آسرا پکڑتے ہیں دوستی اس سے کر لیتے ہیں، بات اس کی مانتے ہیں تو جب خود کوئی اسے ماننا شروع کر دے تو پھر اسے شیطان کو برا کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ شیطان تو ہے ہی برا۔ میرے آپ کے کہنے سے کیا فرق پڑے گا شیطان تو اللہ کی طرف سے ایسا رد ہوا ہے کہ جو ساری زندگی اس کی پوجا کرتے ہیں وہ بھی اسے برا ہی کہتے ہیں اسے بھلا کوئی نہیں کہتا برائی تو اس کے نصیب میں آگئی ہے اس کی پیشانی پہ لکھ دی گئی ہے اس کی ماننے والے بھی اسے اچھا نہیں کہتے اور نہ ماننے والوں نے تو برا کہنا ہی ہے لیکن ہمیں خود بھی تو اللہ اللہ کرنا چاہیئے۔ فرمایا شیطان کا بس ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس کے ساتھ تعلق قائم کر لیتے ہیں اس کی بات سنتے ہیں، اس کی بات مانتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہوتے ہیں وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِہٖ مُشْرِکُوْنَ وہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

یہاں شرک کا معنی بھی تو ہم نے عجیب لیا۔ کسی نے کسی نیک آدمی کا نام لے دیا تو ہم نے کہہ دیا مشرک ہے کسی نے درود شریف پڑھ لیا تو ہم نے کہہ دیا مشرک ہے جہاں ہم جس سے خفا ہو گئے اس پہ فتویٰ لگا دیا۔ شرک صرف یہ نہیں ہے کہ آپ بتوں کی پوجا میں مبتلا ہو جائیں یا کوئی شخص اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنی شروع کر دے بلکہ ہر گناہ میں شرک کا کوئی نہ کوئی درجہ موجود ہوتا ہے۔ ہر گناہ میں تھوڑا یا بہت شرک یہ ہے کہ اللہ کے مقابلے میں کسی دوسرے کی بات مانی جائے اللہ کے فرمان کو پس پشت ڈال دیا جائے کسی بات کو ہم اس درجے پر بٹھا دیں جو عظمت اللہ کے لیے ہے اطاعت مطلقہ اللہ کریم کا حصہ ہے اللہ ہی کی بات کسی سے سن کر مانی جائے تو یہ شرک نہیں ہے اس لیے کہ جس کی بات ہم مان رہے ہیں وہ صرف واسطہ یا ذریعہ ہے حکم الٰہی ہم تک پہنچانے کا۔ بات اللہ ہی کی ہے ظاہر ہے ہم تک کسی ذریعے ہی سے پہنچے گی۔ صحابہ کرامؓ کو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ذریعے پہنچی تابعین کو صحابہ کرامؓ کے ذریعے اور تبع تابعین کو تابعین کے ذریعے ملی۔

دین کو کوئی بڑھا یا گھٹا سکتا نہیں دین تو انہیں باتوں کا نام ہے جو نسلاً بعد نسلاً سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچی لہٰذا دین کی بات کو کسی سے سن کر ماننا شرک نہیں ہے۔ کسی نیک آدمی کی بات سن لینا، اللہ کی اطاعت کرنا شرک نہیں ہے بلکہ شرک یہ ہے کہ بات اللہ کی نہ ہو، اللہ کریم اس سے منع فرمائیں لیکن ہم اس کے مقابلے میں اپنے دل کی، اپنے نفس کی بات مان لیں تو ایسا کر کے اپنے نفس کو ہم نے اپنا رب سمجھا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں "دیکھا آپ نے ایسے لوگوں کو جو اپنی خواہشات کی پوجا کرتے ہیں" اب خواہشات کو کوئی سامنے کھڑا کر کے سجدے تو نہیں کرتا۔ خواہشات کو مان لیا تو خدا کے مقابلے میں خواہشات معبود ہو گئیں جب ہم دنیا کے لیے اللہ کی بات چھوڑ کر اسے اپنا مقصد بنا لیتے ہیں تو ہم دنیا کو اس کا شریک بنا لیتے ہیں شیطان کی بات ماننا شروع کر دیتے ہیں تو اسے ہم نے اللہ کا شریک ٹھہرا لیا۔ نفس کی بات مانی تو اسے معبود بنا لیا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کہ میں نے شیطان کو بہت سی طاقتیں دے کر انسان کو چارے کے طور پر اس کے آگے ڈال دیا ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ شیطان کو میں نے رد کر دیا ہے اور انسان کے ساتھ میں خود کھڑا ہوں۔ اصل طاقت کس طرف ہے؟ انسان کی طرف ہے نا۔ اب اگر انسان اللہ کریم کو چھوڑ کر شیطان کی طرف چلا جائے تو شکوہ کس پہ ہے؟

یہ بڑا معرکۃ الآرا سوال تھا کہ ہم ہر بات میں یہ کہتے ہیں کہ جی شیطان نے ہمیں مار دیا۔ ارے کبھی تو شیطان بھی یہ کہے کہ ان دیوانوں نے میرا ناک میں دم کر دیا کوئی تو ایسا بھی ہو جس سے شیطان کو تکلیف پہنچے، کبھی تو وہ بھی چیخے کہ یار کہیں تو دنیا میں مجھے بھی بیٹھنے دو۔ آپ نے دیکھا جو قوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تیار فرمائی اس نے شیطان کو بھگا بھگا کر مارا دنیا کے بت خانے اجڑ گئے، آتش کدے بجھ گئے۔ شیطان کا تسلط ختم ہو گیا۔ کافروں تک سے شیطان کو وہ اطاعت ملنا بند ہو گئی جس سے وہ کبھی پوجا کرایا کرتا تھا اور ہر جگہ اللہ کے قانون کی حکمرانی نافذ ہو گئی اور روئے زمین کو امن آشنا کر دیا اپنا حال دیکھو ہم تو شیطان کو مساجد سے نہیں نکال سکتے جس مسجد میں جاؤ لڑ رہا ہے جس مسجد میں جاؤ ایک دوسرے کے ساتھ عداوت، جس مسجد میں جھانکو لوگ دست و گریبان ہیں ایک کی داڑھی دوسرے کے ہاتھوں میں ہے اور اس کے سر کے بال اس کے ہاتھ میں ہے یہ اللہ کی اطاعت کا طریقہ تو نہیں۔ نبی کریمؐ نے یہ تعلیم نہیں فرمایا۔ اللہ فرماتے ہیں "شیطان تمہارے دلوں میں بغض و عداوت ڈالتا ہے" اس کا مطلب ہے کہ مساجد میں سے بھی یہ ہم سے نہ نکالا گیا شہروں سے کیسے نکالیں؟ ایک مسجد میں جاؤ تو وہ کہتے ہیں اس مسجد والے کافر ہیں، اس مسجد میں جائیں تو وہ کہتے ہیں دوسری مسجد والے کافر ہیں۔ نرا تماشا ہے عجیب آدمی ہو اللہ کو مانا، اللہ کے نبیؐ کو مانا اللہ کے رسولؐ کے فرمان کے مطابق آدھی رات کو اٹھا، مسجد میں آیا اللہ کریم کے حضور دست بستہ کھڑا ہوا تو اگر اسے کسی بات کی سمجھ نہیں ہے تو وہ محبت و ہمدردی کا مستحق ہے اسے سمجھایا جائے کہ بھئی آدھی رات کو اٹھتے ہو اتنی محنت کرتے ہو تو دراصل اس کام کو کرنے کا درست طریقہ یہ ہے اب یہ کونسا طریقہ ہے کہ اسے کافر یا مشرک کہہ کر بھگا دیا جائے یا ایک آدمی پر ہم خواہ مخواہ فتویٰ لگا دیں کہ یہ ایسا ہے، یہ ویسا ہے تو میرے خیال میں یہ ساری عداوتیں شیطان القاء کرتا ہے ہم پہ۔ تو جب ہم سے مسجدوں سے نہیں نکالا جا رہا تو اور کہاں سے نکالیں گے ہم؟ "مساجد اللہ کا گھر ہیں" اللہ کہتے ہیں۔ جب وہی ہم نے شیطان کے سپرد کر دیں

اور پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ شیطان کا مقابلہ مشکل ہے تو وہ تو مشکل ہو گا آپ دشمن کو اپنے ہتھیار بھی دیدیں، اپنا مورچہ بھی دیدیں، اپنا گھر بھی دے دیں اور خود سڑک پر کھڑے ہوں تو مقابلہ کیا خاک کریں گے۔

رب جلیل نے اس سوال کا بڑا آسان جواب دیا ہے کہ بھئی تم اتنے بے نیاز تو نہیں ہو کہ میری بات، بھی ہو، میرا کلام بھی ہو تو پھر اسے پڑھو اور جب بھی میرا کلام پڑھنے لگو تو شیطان سے پناہ مانگ لیا کرو۔ پھر میں تمہیں اپنی پناہ میں لے لوں گا اور شیطان کا کوئی بس نہیں چلتا ان پہ جو اللہ پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہاں اللہ کو چھوڑ کر کوئی شیطان ہی کی دوستی اختیار کرے اور اسی طرح اس کی اطاعت کرے جو درحقیقت اللہ کا حق ہے اور شرک میں مبتلا ہو جائے تو پھر اگر اسے شیطان رسوا کرتا ہے تو گلہ کس پر؟

قرآن حکیم میں ارشاد ہے جب میدان حشر میں فیصلہ ہو گا تو ہر گناہگار یہی کہے گا کہ یہ بڑا بے ایمان ہے اس نے ہمیں تباہ کر دیا۔ کافر و مشرک سب ہی کہیں گے تو شیطان کہے گا یا الٰہی مجھ

ان لوگوں سے بات تو کرنے دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس کے لیے آگ کا منبر بنا دیا جائے گا اس پہ کھڑا ہو کر وہ لوگوں کو پکار کر کہے گا۔ آج مجھے ملامت کیوں کرتے ہو؟ شرم نہیں آتی مجھے برا کہتے ہوئے۔ اپنے آپ کو برا کہو، اپنے آپکو ملامت کرو۔ تم وہ ہو جنہوں نے اللہ کی عبادت چھوڑ دی میں تو جھوٹ کہتا تھا تم نے جھوٹ مانا کیوں؟ جب تم جانتے تھے میں جھوٹا ہوں غلط کہتا ہوں تو تم بدبختو مجھے برا کہتے ہو جنہوں نے اللہ کی بات چھوڑ کر جھوٹے کی بات ماننا شروع کر دی۔ میں برا ہوں یا تم برے ہو؟

اللہ بڑا کریم ہے فرماتا ہے تم نے جتنے بھی گناہ کر لیے، جتنی بھی شیطان کی رفاقت کر لی جب کبھی اسے چھوڑ دو مجھے پکار لوگے تو میں تمہیں اپنی پناہ میں لے لوں گا۔ کتنی مزے کی بات ہے اور کتنا کریم ہے وہ کہتا ہے تو نے کروڑوں گناہ بھی کئے ہیں تو توبہ کر لینے پہ میں ان گناہوں کو صرف معاف ہی نہیں کروں گا بلکہ ان گناہوں کو نیکیوں میں بدل دوں گا۔ تو توبہ تو کر، باز تو آ، چھوڑ تو دے گناہوں کو، محتاج ہم ہیں وہ تو بے نیاز ہے اور بے نیاز اتنا کریم ہے کہ کہتا ہے جو کچھ کر چکا ہے خیر ہے تو میرے پاس تو آ۔ تیرے پاس راکھ ہے تو میں اسے سونے میں بدل دوں گا۔ تیرے پاس انگارے ہیں تو میں انہیں پھولوں میں بدل دونگا تو آ تو میرے پاس۔

زندگی میں سب سے بڑا کرنے کا کام یہ ہے کہ ہم یہ فیصلہ کریں، سوچ سمجھ کر تنہائی میں بیٹھ کر تجزیہ کریں کہ ہمیں کس کے ساتھ چلنا ہے؟ ہم نے صرف فیصلہ کرنا ہے عمل پیرا کرانا اس کا کام ہے وہ توفیق دے دے گا۔ "جو میرے لیے کوشش کرتے ہیں میں ان پہ اپنا آپ کھول دیتا ہوں"، جو یہ کہہ دیتا ہے میں نے اللہ کے ساتھ رہنا ہے میں اسے اس طرح سنبھال لیتا ہوں جیسے کسی کو گود میں لے لیا جاتا ہے اللہ کریم ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے اور ہمیں صحیح فیصلہ کرنے اور اس پر کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(بیان لاہور کنٹونمنٹ ۱۴ مارچ ۱۹۸۹ء)

Phone: 525736

WAHID JEWELLERS

FOR

QUALITY GOLD JEWELLERY

4, SAIGAL MARKET,
ZAIBUNNISA STREET,
SADDAR, KARACHI.

چترال کی ویران مساجد

عنایت اللہ فیضی

اپنے مزاج، عادات، رسم و رواج اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے اہل چترال اسلامی طرز فکر اور اسلامی طرز بود و باش کے بہت زیادہ قریب ہیں۔ پردہ، حیا اس علاقے میں بہت زیادہ ہے۔ قتل، چوری اور دیگر وارداتیں یہاں نہ ہونے کے برابر ہیں حتیٰ کہ پولیس رولز اور تھانے قائم ہونے سے پہلے ایسی وارداتیں بالکل نہیں تھیں۔ زندگی سادہ اور خلوص سے پر ہے۔ عداوت حسد، کینہ اور رقابتیں دیکھنے میں نہیں آتیں۔ بظاہر چترال کے معاشرے پر سرسری نگاہ ڈالنے سے ایک مثالی اسلامی معاشرہ نظر آتا ہے۔ مگر چترال کے آباد رقبے کا ایک چوتھائی حصہ آذان محمدیؐ کی دولت سے محروم ہے۔ تحصیل مستوج اور تحصیل لٹکوہ کے بیشتر علاقوں میں یا تو سرے سے مساجد ہی نہیں ہیں یا جو مساجد ہیں وہ مقفل پڑی ہیں، کچھ شہید ہو گئی ہیں۔ تورکہو اور موڑکہو کے دیہات میں بھی چند مقامات پر مساجد کا یہی حال ہے۔

تاریخی اعتبار سے چترال دو حصوں پر مشتمل ہے اس کے جنوب اور جنوب مشرق کی طرف دیر، سوات اور کنڑ (افغانستان) کے ساتھ ملنے والا علاقہ ہے۔ جبکہ شمال، شمال مشرق اور شمال مغرب کی طرف گلگت، ہنزہ، واخان اور بدخشاں کے ساتھ ملنے والی وادیاں ہیں چنانچہ دیر، سوات اور کنڑ (افغانستان) سے اہل سنت مبلغین چترال آئے جبکہ گلگت، ہنزہ، واخان اور بدخشاں کی طرف سے اسماعیلی داعیوں نے چترال آکر اپنی دعوت پھیلائی۔ اسی طرح آٹھویں صدی عیسوی میں لیکر اب تک بارہ سو سالوں پر محیط عرصے کے اندر چترال دونوں مبلغین کی باہمی کشمکش کی آماجگاہ رہا ہے۔ اسلام آنے کے بعد اس علاقے سے بدھ مت کے قدیم عقائد و اثرات کا مکمل خاتمہ ہوا۔ البتہ جنوب مغرب کی طرف کالاش کافروں نے اسلام کی روشنی کے باوجود خود کو اندھیرے میں رکھنا چاہا۔ رفتہ رفتہ اسلام کے پھیلنے کے ساتھ یہ اندھیرے اجالوں میں بدلتے رہے۔ یہاں تک کہ اب عبودیت، امبور اور بریر کی تین وادیوں کے سوا کسی بھی گاؤں میں کالاش کافر نہیں رہا۔ ارندو سے لیکر بریس تک تحصیل دروش اور چترال خاص کی مختلف وادیوں میں مساجد کی تعمیر اور دیکھ بھال کی صورت حال تسلی بخش ہے۔ البتہ ایک کمی پائی جاتی ہے۔

ریاستی حکومت کے زمانے میں مساجد کی دیکھ بھال اور آئمہ مساجد کے گزارے کے لیے ریاستی خزانے سے کفالت کا معقول انتظام تھا ۱۹۶۹ء میں ریاست کے انضمام کے بعد چترال ضلع بن گیا اور مساجد کے ائمہ کے لیے مقرر تمام روزینے ختم کر دیئے گئے۔ اسی طرح بعض علماء پرائمری سکولوں میں معلم دینیات کی حیثیت سے روزگار پاتے تھے۔ تعلیم کی صوبائی انتظامیہ نے تمام پرائمری سکولوں سے معلم دینیات کی آسامیاں ختم کر دیں۔ مقامی مسلمانوں کے اندر ریاستی حکومت کے وقت سے مساجد کے انتظام اور ائمہ مساجد کی کفالت کے لیے مالی قربانی کی عادت نہیں تھی۔ اس لیے ایک لگا بندھا نظام ختم ہونے کی وجہ سے خلا پیدا ہوا۔ جو ابھی تک پر نہیں ہو سکا۔

شمال مغرب اور شمال کی طرف وادی لٹکوہ سے لیکر لاسپور اور بروغیل تک بالائی چترال کے تمام علاقوں میں مساجد کی صورتحال قابل رحم ہے۔ ان علاقوں میں سے تورکھو اور موڑکھو کے مرکزی دیہات میں مساجد کثرت سے موجود ہیں اور مقامی آبادی کی غالب اکثریت اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لیے چند مخصوص حالات کے استثنا کے ساتھ مساجد کا انتظام معمول کے مطابق چل رہا ہے۔ البتہ ریاستی حکومت کے سرایات چھین جانے کے بعد پیدا ہونیوالا خلا یہاں بھی پایا جاتا ہے۔ چند مقامات پر مسلمانوں کی غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے مساجد ائمہ سے خالی ہیں۔ بار رمضان شریف میں ''موسمی نماز'' با جماعت ادا ہوتی ہے۔ لٹکوہ اور مستوج کی تحصیلوں میں آبادی کی غالب اکثریت اسماعیلی برادری سے تعلق رکھتی ہے۔ ان علاقوں میں اہلسنت والجماعت کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے مساجد کی تعداد بھی بہت کم ہے دور ترین چھوٹے دیہات ایسے ہیں جہاں آذان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی صدا ہی نہیں گونجتی اس علاقے کی مسجدوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ مرکزی دیہات اور بڑے قصبوں کے مساجد پر مشتمل ہے ان مساجد کے انتظام و انصرام کے لیے روایتی ذرائع اور وسائل موجود ہیں۔ ان میں سے نصف کے قریب مساجد میں ائمہ مقرر ہیں۔ اور پنجگانہ اذان کے ساتھ نماز با جماعت ہوتی ہے۔ باقی نصف مساجد صرف رمضان شریف میں کھلتے ہیں۔ باقی ایام میں کبھی کسی بندۂ خدا کا موڈ بنے تو وہاں نماز پڑھ سکتا ہے ورنہ ایک کمرہ ہے جو بند رہتا ہے۔ خدا رحم کرے اور معاف فرمائے۔

دوسری قسم ان مساجد کی ہے جو اسماعیلی آبادی والے دیہات میں اسوقت تعمیر ہوئے تھے جب یہاں کوئی اہلسنت بھی رہتا تھا۔ اسماعیلی برادری کے اپنے جماعت خانے اس وقت نہیں بنے تھے۔ اس لیے نماز، دعا اور بچوں کی تعلیم کا مرکز بھی مسجد ہی تھا۔ اور اسماعیلی برادری کے دم خم سے آباد تھا۔ ۱۹۴۰ء میں جماعت خانوں کی تعمیر شروع ہونے کے بعد یہ مساجد ایک ایک ہو کر ویران ہوتی گئیں یہاں تک کہ جن لوگوں نے یہ مساجد تعمیر کئے تھے ان کی اولاد میں کوئی اہلسنت نہیں رہا۔ اور ان پر تالے پڑتے گئے۔ بعض موسمی حالات کی وجہ سے شہید ہو گئیں۔ تیسری قسم ان مساجد کی ہے جنہیں ۱۹۲۴ء میں سر شجاع الملک مہتر چترال کی طرف سے اسماعیلی برادری کو بزور قانون اہل سنت بنانے کی مہم کے دوران تعمیر کروایا تھا۔ یہ مساجد اکثر و بیشتر اسوقت کے معززین، جاگیرداروں اور ایسے بارسوخ افراد کے زیر اثر علاقوں میں تعمیر ہوئے۔ جن کے وقتی مفادات مہتر چترال کی خوشنودی اور مسجد کی تعمیر سے وابستہ تھے اور ان لوگوں نے محض ریاستی حکمران کو خوش رکھنے کے لیے اہلسنت ہونے کا ڈھونگ رچایا تھا۔ مہتر چترال کی زندگی تک ان مساجد کسی نہ کسی حد تک آباد رہیں مگر ۱۹۳۶ء میں ان کی وفات کے بعد انکی رونق پھیکی پڑ گئی۔ اور رفتہ رفتہ یہ مساجد ویران ہو گئیں۔ ان مساجد میں سے چند ایک کو شہید کر دیا گیا ہے اور چند ایک خستہ حالت میں مقفل پڑے ہیں۔ ان علاقوں میں اب جماعت خانوں کی عالیشان عمارتیں بنی ہوئی ہیں اور مساجد کی گزشتہ رونق اب جماعت خانوں نے لے لی ہے۔ بعض دیہات میں اگرچہ ایک دو گھرانے اہلسنت کے رہتے ہیں مگر ان میں مسجد تعمیر کر کے اس کو سنبھالنے کی استطاعت اور ہمت نہیں ہے۔ بعض دیہات میں ایسا سماں نظر آتا ہے کہ گاؤں کے ایک سرے پر ایک خستہ حال مسجد بند پڑی ہوئی ہے۔ گاؤں کے دوسرے سرے پر چند اہل سنت گھرانے آباد ہیں اور مسجد سے محروم ہیں۔ گاؤں کے ایک سرے سے دوسرے پر آ کر اسماعیلیہ برادری کی زمین پر بنی ہوئی قدیم مسجد کو آباد کرنا اور اس میں اذان دینا ان کے لیے محال ہے۔ بعض دیہات میں اہل سنت والجماعت کی اپنی آبادی میں مساجد ویران پڑی ہوئی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس آبادی میں کوئی عالم یا معمولی پڑھا لکھا نمازی شخص بھی نہیں ہے جو مسجد کو

آباد رکھ سکے۔ ایسے علاقوں میں کسی سکول میں دوسرے علاقوں کے علماء کی تبدیلی ہو جائے تو اکثر علماء ایسے علاقوں میں ڈیوٹی دینے سے جی چراتے ہیں۔ اور گھر بیٹھ کر چند ماہ گزارنے کے بعد اپنی تبدیلیاں کرا لیتے ہیں۔

مجموعی طور پر مقفل، ویران اور شہید ہونے والے مساجد کی تعداد بائیس ہے۔ بتیس ایسے دیہات ہیں۔ جہاں اہل سنت والجماعت کی آبادی موجود ہے لیکن مساجد تعمیر نہیں ہوئیں۔ تیرہ ایسی مسجدیں موجود ہیں جو اہلسنت والجماعت کی آبادی میں ہوتے ہوئے بند پڑی ہوئی ہیں۔ اذان اور نماز باجماعت کا انتظام نہیں ہے۔

گزشتہ بیس سالوں کے دوران صدیقی ٹرسٹ (کراچی) دعوت القرآن ٹرسٹ (کراچی) اور عائشہ باوانی ٹرسٹ (کراچی) نے بالائی چترال میں مساجد کے انتظام اور بعض مساجد کے اندر قرآن ناظرہ اور اعتقادیات کی بنیادی تعلیم کے لیے مدرسوں کے قیام میں مدد دی ہے۔ چنانچہ ایک مربوط پروگرام اور منظم تحریک کے ذریعے مختلف علاقوں میں پرانی مسجدوں کی از سر نو آبادی اور نئے مساجد کی تعمیر کے چند اہم منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا گیا ہے مزید برآں ہر علاقے میں چند بنیادی مدارس قائم کر کے ائمہ مساجد کے لیے وظائف مقرر کئے گئے ہیں۔ مسجدوں کو آباد کرنے کے سلسلے میں اس دعوت اسلامی ٹرسٹ پشاور نے بالائی چترال میں مساجد کے انتظام و انصرام کے ایک جامع منصوبے پر عملدرآمد شروع کیا ہے۔ پچھلے دو سالوں میں سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے شیخ طریقت حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ نے چترال کے دو دورے کئے ہیں، حضرت مدظلہ العالی نے گزشتہ سال وادی کالاش کے اندر کندلیسار کے مقام پر "دارالعرفان" کا سنگ بنیاد بھی رکھا ہے۔ مسجد اور ملحقہ کمروں کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا ہے۔ علاقے کی مخیر شخصیت متیار زادہ عبدالمنعم خان نے اس کے لیے زمین وقف کی ہے" دارالعرفان" کی تکمیل کے بعد یہ ادارہ پورے چترال میں مساجد کے انتظام و انصرام کے لیے موثر تحریک کے ایک اہم مرکز کا کام دیگا۔ اللہ کریم اپنے بندوں کو وادی چترال کے گوشے گوشے میں "اللہ اکبر" کی صدا بلند کرنے اور مساجد کو آباد رکھنے کی توفیق و ہمت دے۔ (آمین)

ضروری اعلان

یہ شمارہ آپ کے پاس لاہور سے روانہ کیا گیا ہے۔ آئندہ "المرشد" کا جملہ نظام بمعہ ترسیل و اکاؤنٹنگ اویسیہ کتب خانہ الوہاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور کی تحویل میں دے دیا گیا ہے۔ چندہ کی رقم کے ڈرافٹ بحق ماہانہ "المرشد" اکاؤنٹ نمبر P.L.S 2491 مسلم کمرشل بنک لمیٹڈ ماڈل ٹاؤن لاہور برانچ، منی آرڈر، مدیر کی ڈاک، شکایات آراء وغیرہ مذکورہ کتب خانہ کے پتہ پر ہی روانہ فرمائیں۔

نیز اس شمارہ کے ساتھ ہی آپ کے ۱۴۰۹ھ کا چندہ بھی ختم ہو چکا ہے، تجدید کا فوری بندوبست فرمائیں۔

دِل بدل جائیں تو؟

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

(سورہ الانعام ساتواں پارہ اس کا نواں رکوع ہے)

دین سے یا آخرت سے یا حقائق اُخروی سے انکار، جب تک یہ دنیوی زندگی ہے، موت کے بعد، جب آخرت اس کے سامنے کھل جاتی ہے تو انکار کی تو گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اگر کسی کو دوبارہ زندگی نصیب ہو جائے اسے برزخ سے لوٹا دیا جائے یا اسے قیام قیامت کے بعد دنیوی زندگی کا ایک موقع دے دیا جائے، اگر ایسا ممکن ہو تو پھر اسے گناہ نہیں کرنا چاہیے۔ اسے بدی کی طرف نہیں جانا چاہیے یا اسے کامل یقین ہونا چاہیے کہ وہ اپنی راہ تلاش کرے، جدھر بھلائی ہو، خیر ہو، نیکی ہو۔

قرآن حکیم نے جو خبر دی ہے وہ ہمارے اس دعوے سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جو لوگ دنیا سے مردہ دل لیکر مرتے ہیں آخرت میں ہر چیز سامنے ان کے ہوگی، سب چیزوں کا اقرار بھی کریں گے۔ یہ خواہش بھی کریں گے کہ یا اللہ ہمیں لوٹا دے پھر ہم تیری پوری پوری اطاعت کریں گے۔ نافرمانی کے قریب نہیں جائیں گے۔ لیکن اللہ فرماتے ہیں یہ جھوٹ بولتے ہیں اگر اب انہیں یہاں سے بھی لوٹا کر بھیج دیا جائے، دوبارہ بھی ان کی زندگی بنا دی جائے، پھر سے زمین و آسمان پیدا کر دیئے جائیں ایک موقع اور دے دیا جائے یہ وہاں جا کر بھی برائی کریں گے۔ قرآن حکیم نے اسکی وجہ بھی ارشاد فرمائی ہے۔ اگر وہ وجہ ہم سمجھ لیں تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔ فرمایا:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ؕ ایسے لوگ بھی ہیں جو آپ کی باتیں سنتے ہیں، اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ایک عام بات تو نہیں، ان کا ایک معیار ہے۔ یا جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں پہلی بات تو یہ ہوگی کہ وہ اللہ کا کلام ہوگی پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ہائے مبارک کی شیرینی اس میں ہوتی ہے۔ آپ کا انداز بیان ہوتا ہے۔ آپ کی آواز کا حسن اسمیں ہوتا ہے آپ کی ذات کا پرتو اس میں ہوتا ہے۔ تو بیشمار شیرینیاں بیشمار حسن بیشمار طرح کی مٹھاس مل کر صرف بات نہیں رہتی بلکہ وہ بہت ہی قیمتی بہت ہی روح پرور بہت ہی لذیذ اور حیات آفرین غذا بن جاتی ہے روح کیلئے۔

لیکن براہ راست حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

لب مبارک سے سن کر بھی کچھ لوگ محروم رہے اقرار نہ کیا، انہیں ایمان نصیب نہ ہو گا۔ تو ایسا کیوں ہوا۔

فرمایا وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً :۔ کہ ان کے اور میرے درمیان جو واسطہ یا رابطہ مالک اور مخلوق، خالق اور مخلوق کے درمیان ہے اتنا بگڑ چکا تھا کہ ان کے دل تباہ ہو چکے تھے ہر چیز کی حیات ہوتی ہے۔ ایک درخت کی جڑ سوکھ جائے آپ اسے جتنی زرخیز زمین میں لگا دیں اس میں اس زرخیزی کو جذب کرنے کی استعداد ہی نہیں رہتی۔ اس نے لینا ہی جڑ سے ہے۔ اسی طرح دل جو ہے یہ سب چیزوں کو وصول کرنے کا واسطہ ہے جب یہی مردہ ہو جائے جب یہ بگڑ جائے اسی میں قبولیت کی استعداد نہ رہے، اس کے بگاڑ کی بنیاد ہوتی ہے۔ اللہ کریم سے تعلقات کا بگاڑ، یعنی شرک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انسان جب گناہ کرتا ہے تو ہر گناہ اپنی حیثیت کے مطابق دل میں سیاہی پیدا کرتا ہے۔ اگر مسلسل گناہ کی زندگی اختیار کر لی جائے مسلسل سیاہی بڑھتی رہے تو ایک وقت ایسا بھی آتا ہے دل اس قدر سیاہ ہو جاتا ہے کہ اللہ کریم پھر اس پر مہر کر دیتے ہیں پھر اس کو واپسی کا راستہ نہیں ملتا پھر وہ اس قابل نہیں رہتا کہ واپس اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے قابل رہے۔ ایسے ہی لوگوں کیلئے فرمایا گیا!

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ :۔ جب دل پر مہر ہوتی ہے تو پھر کان، زبان۔ یہ ذرائع جو ہیں یہ سارے بیکار ہو جاتے ہیں۔

وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ :۔ پھر کانوں پر بھی مہر ہو گئی، آنکھوں پر بھی پردہ۔ یہ ساری چیزیں حقائق کو قبول کرنے سے محروم ہو جاتی ہیں۔

تو اللہ کریم فرماتے ہیں ان لوگوں نے اس قدر برائی، اسقدر غلط وطیرہ، اس قدر غلط کاری اپنائی۔ ان کے دل تباہ ہو گئے ان کی وہ استعداد جو حق کو سننے کی تھی وہ ختم ہو گئی۔ اور ان کی حق کو دیکھنے کی استعداد تباہ ہو گئی۔ کیونکہ دیکھ کر، سن کر وہ بات تو دل کو پہنچاتی تھی۔ اب جب دل ہی نہ رہا تو اس میں دیکھنے سننے کی قوت کسطرح کام کریگی ان کا یہ حال ہے۔

وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا :۔ اگر یہ سارے معجزات بیشمار آیات بیشمار نشانیاں سب کچھ دیکھتے رہیں ایمان لانا ان کے بس میں ہی نہیں رہا۔ بلکہ یہ الٹا اثر قبول کرتے ہیں۔

> سبحان اللہ
>
> کافر بھی بہت بڑا ڈاکٹر بن سکتا ہے۔ سائنسدان بن سکتا ہے، کیمیا دان بن سکتا ہے۔ کوئی بھی علم جسے مومن یا مسلمان یا کوئی انسان حاصل کرتا ہے۔ اُن میں سب انسان برابر کے شریک ہیں، خواہ مسلمان ہو یا کافر۔ لیکن علوم نبوت جو ہیں یہ صرف مومن کا حصہ ہیں کافر ان کو نہیں پا سکتا۔ ان کے حصول کے لیے ایمان شرط ہے۔
>
> (حضرت مولانا محمد اکرم)

فرمایا۔ جب یہ آپ کی خدمت میں آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھگڑا کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں یار یہ کیا باتیں کرتے ہیں یہ تو قصے کہانیاں ہیں پرانی قوموں کی باتیں ہیں۔ گزرے ہوئے لوگوں کی باتیں هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ :۔ یہ تو گئے گزرے بھولے بسرے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ان میں کیا رکھا ہے۔ آپ کہتے ہیں یہ اللہ کا کلام ہے، خدا کی کتاب ہے یہ کیسا اللہ کا کلام ہے۔ یہ محض قصے کہانیاں ہیں۔ یہ تو کوئی بات نہیں اور پھر کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی اس سے رک جائیں، خود تو محروم ہیں ہی دوسروں کو بھی محروم دیکھنا چاہتے ہیں۔ یعنی اس قدر شدت پیدا ہو جاتی ہے ان کے عناد میں ان کی دشمنی میں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اس ساری دشمنی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ :۔ یہ سارا کچھ جو وہ کرتے ہیں نہ دین کا کچھ بگڑتا ہے۔ نہ اللہ کی کتاب کا کچھ بگڑتا ہے۔ نہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کچھ نقصان ہوتا ہے۔ نہ ذات باری کا کچھ بگڑتا ہے وہ اپنے آپ کا نقصان کرتے ہیں اپنے آپ کو تباہی کی طرف لیجا رہے ہیں اور سارے کا سارا وبال اپنی جان پہ ڈال رہے ہوتے ہیں۔ لیکن انہیں اتنا بھی شعور نہیں ہوتا کہ ہم اپنے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں اپنے لیے مصیبت پیدا کر رہے ہیں۔ اب اس کا آخری نتیجہ ارشاد ہوتا ہے فرمایا

ان لوگوں کو اسوقت دیکھئے جب یہ جہنم کے کنارے کھڑے ہوں گے ان کے بارے فیصلہ ہو جائے گا کہ انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے پھینکے جانے کے لیے جب یہ جہنم کے کنارے لائے جائیں گے اسوقت یہ پکار پکار کر کہیں گے۔

اے کاش ہمیں پھر ایک بار پھر دنیا میں لوٹا دیا جائے کبھی بھی اپنے رب کے احکام کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ کبھی تکذیب نہ کریں، کبھی انکار نہ کریں۔ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۔ اور ہم ایمان کا حق ادا کر دیں گے۔ ایسا مانیں گے کہ اللہ کریم ہم سے راضی ہو جائیں گے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جو پہلے کر کے آئیں گے۔ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ ط دنیا میں تو انہوں نے اس کو کسی حد تک چھپا کر رکھا لیکن میدان حشر میں تو سب کچھ ظاہر ہو گیا جو کچھ دنیا میں یہ کرتے رہے اس کے نتائج تو سامنے آ گئے۔ اب اگر انہیں لوٹا بھی دیا جائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انکو عذاب دے کر اللہ کریم کو کیا حاصل ہو گا۔ بندے کا اور اللہ کریم کا کوئی مقابلہ تو نہیں یہ اس کی ذات کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے مخلوق ہے عاجز ہے۔ آن واحد میں ساری مخلوق کو فنا کر دے زندہ کر دے اس کے مقابلے میں تو مخلوق کی کوئی حیثیت نہیں۔ اگر یہ سدھرنا ہی چاہتے تو اللہ کریم ایک موقع دے دیے اللہ کا کیا بگڑتا ہے۔ یہ دوزخ میں رہیں تو اللہ کریم کا کیا سنورتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ہمیں تو کوئی اعتراض نہیں تھا ہم تو ان کے لیے ساری دنیا پھر سے بنا لیتے یہ نظام پھر سے بنا لیتے زمین پیدا کر لیتے، آسمان پیدا کر لیتے انہیں موقع بھی دے دیتے لیکن اب یہ جانتے ہیں۔

وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ ۔ اگر انہیں دوبارہ لوٹا دیا جائے یہ سارا نظام دوبارہ پیدا کر دیا جائے۔ انہیں پھر دنیاوی زندگی دے دی جائے تو جو کچھ یہ پہلے کرتے رہے ہیں۔ یہ جا کر پھر وہی کریں گے اور جواب کہہ رہے ہیں کہ ہم نیکی کریں گے؛

وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۔ یہ جھوٹ بولتے ہیں یہ غلط کہتے ہیں۔

اس لیے کہ میدان حشر جو ہے یہ دار العمل نہیں ہے کہ وہاں جا کر کسی کے دل کی اصلاح ہو جائے یا وہاں جا کر کسی کے دماغ کی اصلاح ہو جائے وہاں جا کر کسی کی سوچ بدل جائے وہ دار جزا ہے دار عمل یہی دنیا ہے اور موت سے پہلے پہلے جس نے اصلاح کر لی موت سے پہلے پہلے جس نے توبہ کر لی، موت سے پہلے پہلے جس نے اپنا دل صاف کر لیا موت سے پہلے پہلے اسی دنیا میں اس دار تکلیف میں رہتے ہوئے جس نے اپنا باطن روشن کر لیا اس کی بھلائی کی امید ہے جو یہاں سے جیسے تاریک لے کر گیا اللہ کریم فرماتے ہیں وہ مایوس جائے گا تو پھر اس کا دل ویسے ہی تاریک ہو گا۔ کیونکہ میدان حشر سے دل روشن کر کے مایوس نہیں کیا جائیگا۔ وہ دار عمل نہیں ہے۔ وہ ایسی جگہ نہیں ہے۔ جہاں دل کسی کا بدل دیا جائے۔ یا جہاں کسی کو عمل کا موقع نصیب ہو کہ وہ برائی سے اچھائی کی طرف آ جائے۔ یا جہاں توبہ کا موقع نصیب ہو اور وہ برائی سے توبہ کر کے نیکی کی طرف آ جائے یا جہاں توبہ کا موقع نصیب ہو اور وہ برائی سے توبہ کر کے نیکی کی طرف آ جائے یا کفر سے توبہ کر کے ایمان لائے وہ دار العمل ہے ہی نہیں۔

عمل کی جگہ یہی دنیا ہے۔ اس دنیا میں تو انہوں نے نہ توبہ کی، نہ نیکی کا راستہ اپنایا، نہ اتباع نبوت اختیار کیا، نہ وہ قلب کی طرف متوجہ ہوئے، نہ انہوں نے قلب کی صفائی کی محنت کی اور جب دل صفا نہیں ہوتا جب دل پہ میل آتا ہے تو اسکی بہت بڑی نشانی یہ ہے کہ تعلیمات نبوت پر اعتراضات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ کتنی عجیب نشانی قرآن حکیم نے بیان کی ہے۔ فرمایا دیکھ لیجئے اگر ساری انسانیت میں سے انسان نکھارے جائیں سب سے بہترین انسان انبیاء ہوتے ہیں۔ سب سے شریف، سب سے نیک، سب سے اچھے، سب سے پاک باز، سب سے عابد و زاہد، نکھرے سچے اور کوئی بھی انسانی اچھائی یا خوبی جو ہے وہ بیک وقت اگر ہمیں کسی جگہ اکٹھی ملتی ہے تو وہ نبی کی ذات میں انبیاء کی ذات میں ہوتی ہے۔

اور تمام انبیاء و رسل میں بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ایسی ہے ایسا کوئی دوسرا انسان رب جلیل نے پیدا ہی نہیں کیا یعنی کمالات انسانی کی انتہا ہے۔ ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ حسن ظاہر میں بھی اور حسن باطن میں بھی علم میں بھی ورع و تقویٰ میں بھی ایمانیات میں بھی نیکی میں بھی حسن خلق میں بھی آپ کسی پہلو پہ آئیں۔

فرمایا جب دل میلا ہوتا ہے جب دل سیاہ ہوتا ہے تو ساری کائنات کا حسن جہاں جمع ہے وہاں بھی انسان کو اعتراض سوجھتے ہیں یہ کتنی عجیب بات ہے فرمایا یہ دیکھ لیجئے جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں آتے ہیں۔ آپ سے بھی جھگڑا کرتے ہیں اور یہی بات آج تک چل رہی ہے۔

آپ دیکھ لیجئے کسی بھی بدکار کا فلسفہ یہ ہوتا ہے کہ بجائے

اپنی بڑائی کا اقرار کرنے کے تعلیمات نبوت پر اعتراض ہو گا۔ تعلیمات الٰہی پر اعتراض ہو گا۔ کتاب الٰہی پر اعتراض ہو گا اور اپنی جو برائی ہے اپنی جو کوتاہیاں ہیں اپنی جو غلطیاں ہیں ان کا تذکرہ نہیں ہو گا۔ دل کی بیماری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے قصور جو ہیں وہ نظر نہیں آتے۔ قصور اس طرف نظر آتا ہے جس طرف کوئی قصور نہیں ہوتا یعنی اللہ کی طرف رسول اللہ کی طرف۔

اور جب دل میں نور آنا شروع ہوتا ہے تو اسے وہ طرف روشن نظر آتا ہے کہ اللہ کا حکم درست ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد درست ہے۔ اگر کوئی کوتاہی ہے تو وہ میری طرف سے ہے اور یہ سبب بن جاتا ہے رحمت الٰہی کو پانے کا اور وہ صورت سبب بنتی ہے اللہ کے غضب کو پانے کی۔ اگر وہ صورت ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ آدمی اس درجہ پہ چلا جاتا ہے کہ دل پر مہر کر دی جاتی ہے پھر توبہ نصیب نہیں ہوتی۔ اور اگر دل اس درجہ سیاہ ہو جاتے تو اللہ فرماتے ہیں ایسے لوگ جب حشر میں آئیں گے جہنم میں پھینکے جانے کیلئے کھڑے ہوں گے تو چیخ چیخ کر کہہ رہے ہوں گے کہ خدایا ایک بار دنیا کی زندگی ہمیں دیدے پھر دیکھ ہم کیسی اطاعت کرتے ہیں کس طرح تیری عبادت کرتے ہیں۔ کسطرح نیکی کرتے ہیں۔ کس طرح تیرے انبیاء کی خدمت کرتے ہیں کس طرح ان کی بات سنتے ہیں کس طرح ان کا اتباع کرتے ہیں اور حق ادا کریں گے غلامی کا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں یہ بھی کوئی مشکل کام ہے پہلے بھی ہم نے دنیا پیدا کی، قیامت قائم ہو گی تو زمین نہ رہے گی آسمان نیا ہو جائیں گے نظام ختم ہو جائے گا لیکن اللہ کے لیے تو مشکل نہیں ہے خدا چاہے تو اسے دوبارہ پیدا کر دیتا ایک ایک آدمی کیلئے پیدا کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ یہ بھی کہ وہ دوبارہ آ کر بھی اپنے آپ کو سنوار سکتا تو میں اسے دوبارہ بھی بھیج دیتا لیکن میں جانتا ہوں وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا۔ میں انہیں پھر بھیج دوں تو ان کے سینے میں دل تو وہی ہو گا جو یہ دنیا سے لائے ہیں۔ میدان حشر میں تو نہیں بدلا جائے گا۔ کیونکہ وہ دار جزا ہے۔ وہاں دل صاف تو نہیں ہو گا۔ صفائی کا موقع تو یہاں ہے اگر یہاں سے سیاہ لیکر گیا تو وہ وقتی طور پر عذاب سے ڈر کر جہنم سے ڈر کر ان چیزوں کو دیکھ کر جب واپس یہاں آئیں گے تو وہی سیاہ دل سینے میں ہو گا۔ وہی کرتوت اس کے ہوں گے۔ جو وہ چھوڑ کر گیا تھا فرمایا

اخذِ فیض کا طریقہ

> رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست فیض لینا، ایسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔ باقی رہا یہ فیض کس طرح حاصل کرتے ہیں؟ ذات سے یا اہلِ قبور سے۔ اس کے متعلق گذارش ہے کہ یہ وہ پیالہ نہیں، کہ بغیر نوش کیے اس کا ذائقہ حاصل ہو۔ جس کو نوش کر کے ذائقہ یا لذت حاصل کرنی مقصود ہو، وہ کسی کامل و اکمل کا دامن مضبوطی سے پکڑے اور کچھ وقت لگائے۔ شرائط سلوک کے مطابق عمل کرے۔ پھر خود ظاہر ہو جائے گا۔
>
> (حضرت مولانا اللہ یار خان ؒ)

یہاں جو کچھ کہہ رہا ہے جھوٹ بول رہا ہے۔

سارے لوگ ایک دفعہ پہلے بھی اقرار کر چکے ہیں اگر پہلا اقرار بھول سکتے ہیں تو دوسرا بھولنے میں کیا مانع ہے ایک دفعہ تو قرآن حکیم نے اطلاع دی کہ تم پہلے مان کر آئے ہو اللہ کریم نے تم سب سے پہلے اقرار لیا تھا کون ہے تمہارا رب کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں اور کوئی ہے میرے سوا تمہیں پیدا کرنے والا جو تمہاری حاجت براری کرنے والا ہو۔ تمہاری عبادت کا مستحق ہو سب نے کہا آپ ہی ہمارے رب ہیں اسی واقعہ کو یاد کرانے کے لیے پھر انبیاء و رسل بھی بھیجے کر جو لوگ اس کے باوجود اس بات یاد نہیں کر سکتے فرمایا۔ دوبارہ انہیں یاد کراؤ تو اس لحاظ سے یہ دنیوی حیات جو ہے یہ اس اعتبار سے بہت قیمتی ہے اس کا ایک

ایک لفظ ایک لمحہ بھی اگر کام آجائے تو وہ پوری اخروی حیات کو تبدیل کر سکتا ہے۔ عارضی زندگی جس میں اب ہم ہیں اس کا ایک لمحہ پوری دائمی زندگی کو تبدیل کرنے کے لیے کافی ہے وہ لمحہ جس میں خلوص کے ساتھ صدق دل کے ساتھ ہم یہ اقرار کر لیں کہ خدایا تو ہماری خطائیں معاف فرما اور ہمیں نیکی کی توفیق دے لیکن یہی اقرار اگر اس زندگی کے بعد ہم کریں گے تو پھر اخروی زندگی میں انقلاب پیدا نہیں ہو گا۔

یہ دلوں کی تبدیلی دلوں کی روشنی یا نور ایمان جو نصیب ہوتا ہے اس کے لیے یہ دار التکلیف جو ہے اس میں اس دنیا میں جہاں انسان مکلف بنے یہاں موقع ہے اگر یہاں کسی نے موقع کھو دیا تو اللہ کریم فرماتے ہیں قیامت میں آکر دوزخ جنت سامنے ہونگے پھر سب مانیں گے یہ کہیں گے کہ اب لوٹا دو تو نیکی کریں گے لیکن اگر لوٹا بھی دیئے جائیں تو جو دل دنیا سے لائے ہیں واپس بھی تو وہی لے کر جائیں گے یہاں تو نہیں بدلے جائیں گے۔

یہ اتنا عظیم کام ہے کہ کسی ایک انسان کا دل روشن ہو جائے کسی ایک انسان کا مزاج بدل جائے کسی ایک آدمی کے دل میں اللہ کا نام جم جائے یہ اتنا بڑا کام ہے جو سرحد محشر میں نہیں ہو سکتا۔ اعتراض صرف اس لیے کیا جاتا ہے کہ دل میں اس کی استعداد نہیں ہوتی۔ آپ ہمیشہ دیکھ لیجئے گا کہ اعتراض کی بنیاد قلب کی تاریکی ہوتی ہے کوئی نیک انسان اس پر اعتراض نہیں کرتا کبھی کوئی بھلائی کا متلاشی نیکی کا متلاشی قرب الہٰی کو تلاش کرنیوالا۔ اس پر اعتراض نہیں کرتا بڑی عجیب بات ہے کہ جب کبھی بھی اعتراض ہو گا تو کسی بینشور کی طرف سے ہو گا۔ اس نے دین کے نام پر دنیا کو حاصل کرنے کا ذریعہ بنا رکھا ہو گا۔ یا سرے سے دین کا انکار ہو گا۔ دو ہی باتیں ہوں گی یا سرے سے دین سے بیزاری ہوتی ہے اور یا اگر دین کا دعویٰ ہو گا تو وہ دین نہیں ہو گا بلکہ دنیا کمانے کے لیے ایک سبب ہو گا۔ جس کا نام دین رکھا ہو گا۔ ایک پر دفیشن ہو گا ایک پیشہ ہو گا۔

اگر طلب الہٰی ہوگی تو لوگ اس کی تلاش میں پھرتے ہونگے اور یہ کمال ہوتا ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا۔ آپ دیکھیں موسیٰ علیٰ نبینا صلوٰۃ والسلام جب فرعون کے پاس گئے تو یہی بات ارشاد فرمائی۔ کیا تو چاہتا ہے کہ میں تیرا دل پاک کر دوں تیرا تزکیہ کر دوں تیرا صاف کر دوں اور دل کی پاکیزگی کا نتیجہ کیا ہو گا فرمایا

وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى :۔ تجھے رب کے اتنا قریب کر دوں کہ تجھے بات کرتے ہوئے اللہ سے حیا آئے یعنی خود تجھے محسوس ہو کہ میرا رب میرے پاس ہے اللہ تو ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن تیرا آئینہ اتنا صاف کر دوں کہ تو بھی اسکے موجود ہونے کا اقرار کر سکے تو بھی محسوس کر سکے کہ واقعی میرا رب میرے پاس موجود ہے۔

اگر نبی کے ساتھ فرعون بھی ایمان لے آئے بدترین خلائق۔ وہ ایک آن میں اس کی کایا پلٹ دیں۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو بہترین انسانیت میں افراد تیار فرمائے یہ جو مثالی انسان ہیں۔ پوری انسانیت میں پہلی امتوں میں بھی ان کی مثال نہیں ملتی اور ان کے بعد بھی ان کی مثال چشم فلک نے نہیں دیکھی۔ یہ اسلامی عقائد میں سے ہے یہ لوگ کہیں سے حضورؐ نے درآمد نہیں فرمائے۔ اسی معاشرے کے افراد جسے آپ بہت بگڑا ہوا معاشرہ کہتے ہیں۔ اسی سرزمین کے رہنے والے لوگ انہیں قبائل کے لوگ لڑنے بھڑنے میں قتل و غارت میں ہر طرح کے گناہ، بت پرستی اور شرک میں مبتلا قبائل تھے عرب کے انہی قبائل نے سے جنہیں ایمان نصیب ہو گیا۔ نگاہ نبوت نے بیک آن انہیں ان بلندیوں تک پہنچا دیا کہ وہ ایک لمحہ میں شرف صحابیت پہ متمکن ہو گئے۔

اور یہ وہی نور نبوت ہے جو انعکاسی طور پر قلوب انسانی کو منور کر دیتا ہے اور یاد رکھیے پوری تاریخ انسانی میں حقیقت تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔ سوچ میں، کردار میں عمل میں تو اس کی بنیاد دلوں کی روشنی ہی ہے، محض باتیں یا محض کتابیں رٹنے سے افکار نہیں بدلے کبھی۔

اللہ کریم اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اِختلافی مسائل

ظفر احمد قریشی

مذہب کے معاملے میں انسان بڑا ہٹ دھرم واقع ہوا ہے جو عقیدہ اس نے ایک دفعہ اپنا لیا اس سے منہ موڑنا اس کے لیے قطعاً ممکن نہیں۔ بحث چل نکلے تو ہر کوئی اپنے عقیدہ اور اپنے نظریہ کو صحیح اور دوسرے کے عقیدہ اور نظریہ کو غلط کہے گا۔ جب انساں "میں نہ مانوں" پر اڑ جائے تو تصفیہ ممکن نہیں۔ اس طرح کے بے لچک رویے سے تلخیاں بڑھتی ہیں اور تعلقات متاثر ہوتے ہیں

مسجدوں میں کئی ایک باتیں ایسی ہو رہی ہیں جن سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ یہ اختلاف برائے اختلاف کا معاملہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے کچھ عملی مشکلات ہیں مثلاً تکبیر شروع ہوئی تو لوگ بیٹھے ہوتے ہیں۔ جب حی علی الصلوٰۃ کہا گیا تو سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ تکبیر ختم ہوئی تو امام صاحب نے تکبیر اولیٰ کہہ دی۔ اب نمازی ہیں کہ ابھی تک صفیں درست نہیں کر سکے۔ اکا دکا شخص آگے جا رہا ہے اس کی جگہ پچھلا آدمی لے رہا ہے اس کی جگہ کوئی اور لے رہا ہے۔ اس دوران الحمد شریف کی قرأت مکمل ہو چکی ہے اور اگلی سورۃ بھی آدھی ختم ہو چکی ہے۔ سوال یہ ہے کہ امام صاحب پہلے صفیں درست کروا کر تکبیر نہیں پڑھوا سکتے؟ تاکہ سبھی نمازی ایک ساتھ تکبیر اولیٰ پر ہاتھ اٹھا کر اور اس طرح سب کی نماز ایک ہی وقت میں شروع ہو اور درست طریقے سے ادا ہو سکے اب جناب اس موضوع پر مولانا صاحب سے بات تو کر کے دیکھیں بات کرنے والا شاید اپنا تحفظ بھی نہ کر سکے۔

پھر فرض نمازوں کے بعد جونہی امام صاحب سلام پھیرتے ہیں تو سبھی نمازی امام صاحب سمیت بلند آواز سے ذکر شروع کر دیتے ہیں۔ بعض اصحاب جو بعد میں شامل ہوتے ہیں ان کی ایک یا دو یا شاید زیادہ رکعتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور وہ انہیں ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ اس جہری ذکر کی وجہ سے بعض حضرات کے لیے نماز کا ادا کرنا خاصا مشکل ہو جاتا ہے۔ اب آپ اس کا تذکرہ تو کر کے دیکھیں کیا گت بنے گی۔

بعض مساجد میں نماز کے بعد سلام کا پڑھنا تقریباً فرض ہی بنا لیا گیا ہے اونچی آواز میں سلام کا پڑھنا نمازیوں کے لیے خاص مشکلات پیدا کر دیتا ہے۔ مگر کون ہے جو اس موضوع پر لب کشائی کر سکے۔

اونچی آواز میں درود پاک کا پڑھنا، پڑھنے والوں کو تو ضرور

سکون اور لطف دیتا ہوگا مگر جو لوگ نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ ان کے لیے نماز کا جاری رکھنا ضرور صبر آزما ہو جاتا ہے۔

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر ٹھنڈے دل سے تجزیہ کیا جائے تو رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سبھی نمازیوں کے سکون کا خیال رکھا جا سکتا ہے۔ فرائض کی ادائیگی یقیناً سب عبادات پر مقدم ہے۔ ایسے نمازی جو فرائض ادا کر رہے ہوتے ہیں اور ان کی نمازوں میں نوافل یا مستحبات کی وجہ سے دشواری پیش آ رہی ہے تو یقیناً فرائض والوں کا حق اولیٰ ہے کہ انہیں بے سکون نہ کیا جائے۔

ہمارا مذہب تو بڑا ہی قابل عمل ہے۔ اس میں کسی طرح کی سختی یا ایسی نارو پابندی نہیں جس سے اس کے ماننے والے بلاوجہ تکلیف میں پڑ جائیں۔ نماز پانچ وقت کی، اعلیٰ ترین عبادت ہے اس سے نمازی اپنے رب سے محو گفتگو ہو جاتا ہے۔ اس کی بڑائی بیان کر رہا ہوتا ہے۔ اسے بتا رہا ہوتا ہے کہ "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں"۔ اور پھر التجا کر رہا ہے کہ وہ اسے سیدھی راہ پر چلائے ایسے لوگوں کی راہ پر جن کا انعام ہوا نہ کہ ایسوں کی راہ پر جو مغضوب ہوئے۔

پھر ہر ہر رکن پر اپنے معبود کی تعریف کرتا ہے اس کی پاکی بیان کرتا ہے۔ اب ایسی عبادت کو جسے نبی رحمت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک بتایا کیونکر اختلافات کے حوالے کر دیا جائے۔ کیونکہ نہ وہ باتیں مل جل کر طے کر لی جائیں تاکہ بے سکونی کی کیفیت ختم ہو اور نماز ہمارے لیے باعث رحمت بنے

علماء کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہوں اور ایک لائحہ عمل تیار کریں اور پھر صدق دل سے اس پر عمل کروائیں اس طرح قوم میں آگاہی پیدا ہو گی۔ اور تقسیم در تقسیم کا عمل ختم ہو گا ضرورت اس امر کی ہے کہ سب مسلمان ایک راہ پر چل نکلیں اور اس راہ کو اپنا لیں جس پر خود نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے خلفاء رضؓ، اصحابؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ چلتے رہے۔ کیا یہ راستہ ہم سے اوجھل ہو چکا ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں سچ کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

سالانہ اجتماع

دارالعرفان منارہ

۲۰ جولائی ۸۹ء سے ۲۶ اگست ۸۹ء

- ۱۹۸۹ء کے ہفت روزہ اجتماعات۔ دارالعرفان۔ منارہ

۱ ۱۷ جون سے ۲۳ جون تک

۲ ۳ نومبر سے ۱۰ نومبر تک

۳ ۱۲ دسمبر سے ۲۹ دسمبر تک

نوٹ:۔ اجتماعات کے اختتام پر حاضری مرشد آباد ہو گی۔

- اجتماع لنگر مخدوم ۵ اکتوبر سے ۷ اکتوبر ۱۹۸۹ء

ایمان اور تقویٰ

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

کائنات میں انسان کی ساری کوششیں اس کے سارے حیلے، اس کی ساری محنتیں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اپنے آپ کو مختلف شدتوں اور تکلیفوں سے بچانے کے لیے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے اور آرام پہنچانے کے لیے ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ جن اعمال کو برا سمجھا جاتا ہے۔ انہیں بھی لوگ اسی غرض کے تحت انجام دیتے ہیں۔ مثلاً ہم ڈاکوؤں کو بہت ظالم کہتے ہیں لیکن ڈاکو سے پوچھیں تو اس کا فلسفہ بھی یہی ہوگا کہ شاید چند گھروں کو لوٹ کر میں خود آرام سے رہ سکوں۔ کوئی جائز حیلے استعمال کرے یا ناجائز لیکن بنیادی طور پر انسان کی کوششوں کا بنیادی محرک یہی جذبہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو آرام پہنچائے۔ اپنی ضروریات پوری کرے یا خود کو تکالیف سے بچائے۔ ذاتی سکون و راحت کے لیے ہم نے بہت کچھ کیا۔ کسی کی نقل کی، تجربات کیے، غور و فکر کیا۔ آپ نے کئی دفعہ پڑھا ہوگا کہ پریشانیوں سے نجات، محبت میں کامیابی، امتحان میں کامیابی، کاروبار میں ترقی وغیرہ وغیرہ۔ سارے مسائل ختم فلاں پروفیسر یا عامل سے ملیں۔ اور واقعی انسان کے دل میں خیال آتا ہے کہ پریشانیوں، بیماریوں سے نجات بھوک اور افلاس سے چھٹکارا، تکالیف سے بچاؤ یا دولت و سکون کی فراوانی وغیرہ کیلئے کیا کیا جائے۔ تو اللہ کریم نے بڑے واضح، بڑے موٹے الفاظ میں ساری مخلوق کے لیے فرمایا، دو کام کرو، ایک بنیادی کام یہ ہے کہ اپنا عقیدہ کھرا کر لو۔ بالکل ویسا جیسا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا۔ اس میں سے کسی دوسرے تیسرے کا مشورہ نکال دو، خالص نکھرا اور صاف عقیدہ۔ فرمایا اگر یہ لوگ ان بستیوں کے رہنے والے بنی آدم اپنا عقیدہ درست کر لیں وَّاتَّقَوْا اور تقویٰ اختیار کریں تو ارض و سما کی برکات و لوازم اس پہ موقوف ہیں، یعنی زمین تو زمین آسمان کی آفات بھی اسے تنگ نہ کریں نہ اس پہ بجلیاں گریں نہ اسے کوئی طوفان ستائے نہ اس پہ کوئی آسمانی مصیبت آئے ماں کی طرح زمین اس کے لیے ماں کی گود بن جائے اسے آرام پہنچائے عزت پہنچائے، اسے بھوکا نہ رہنے دے، اسے کسی سختی میں مبتلا نہ ہونے دے۔ لیکن یہ دو کام اگر کوئی کرے تو یعنی ایمان اور تقویٰ اختیار کر لے۔

دراصل یہ دونوں کام ایک ہی ہے جس کی دو حالتیں ہیں، دو حالتوں کے دو نام ہیں لیکن اصل ایک ہی ہے۔

پہلی حالت ہے ایمان۔ لیکن یہاں یہ بات ہے کہ ذات باری تعالٰے ایسی ہے کہ اپنی تحقیق سے مخلوق اس کی رحمت کو پہچان ہی نہیں سکتی۔ نہ اس کی کوئی صفت مقرر کر سکتا ہے۔ نہ سمجھ سکتا ہے۔ اور نہ ہی سمجھا سکتا ہے۔ اسی لیے انبیاء علیہ السلام کو اپنی ذات صفات، پسند اور ناپسند کے متعلق معلومات رب جلیل خود دیتے ہیں۔ اور باقی مخلوق ان معلومات کو، ان علوم کو حاصل کرنے کیلئے نبی کی محتاج ہوتی ہے۔ بجز نبی کے کہیں سے وہ معلومات، علوم اور اطلاعات مل ہی نہیں سکتیں اور نبی سے یہ سب حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ نبی کو نبی تسلیم کیا جائے۔ اسی کو ایمان کہتے ہیں۔ نبی کے ساتھ تعلق، نبی پر اعتماد، نبی کے ارشادات پر یقین ہی اللہ سے تعلق کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اگر کوئی نبی سے کٹ جائے تو ساری زندگی وہ ذات باری یا صفات باری کے متعلق نہ اپنی تحقیق سے، نہ سنی سنائی باتوں سے کسی بھی طرح سے وہ سمجھ نہیں سکتا۔ اور ذریعہ ہی کوئی نہیں۔ صفات باری اور ذاتِ باری کے متعلق جاننے کا یوں تو کائنات کا ایک ایک تنکا کھلی کتاب ہے لیکن صرف یہ بتا سکتا ہے کہ کوئی ہے، کوئی ہے جو یہ گل کھلا رہا ہے۔ کوئی ہے جو بارش برسا رہا ہے۔ کوئی ہے جو یہ نظام چلا رہا ہے۔ وہ کون ہے؟ اور کیسا ہے؟ اس سوال کا جواب صرف اللہ کے رسول ﷺ ہی دیتے ہیں۔

تو ایمان ہوا ان باتوں پر یقین رکھنے کا نام جو اللہ کا نبی اللہ کی طرف سے اللہ کے بندوں کے لیے لاتا ہے۔ جس میں توحید باری اور نبی کی نبوت کا اقرار بنیاد ہوتی ہے۔ سب باتوں کی۔ اللہ کی ذات، اس کی صفات، اس کی وحدانیت پر یقین لانے کے بعد نبی کے ساتھ جو تعلق ہوتا ہے جب اس میں مضبوطی آتی ہے تو یہ ایمان اتنا قریبی تعلق بن جاتا ہے کہ یہ کیفیات کو اخذ کرتا ہے۔ عموماً ہم دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ فلاں آدمی کا رشتہ دار ہے یا یہ فلاں کا بیٹا ہے، اس کا قد اس جیسا ہے۔ اس کی شکل اس سے ملتی ہے۔ یا اس کا حلیہ اس کی طرح ہے۔ اس لیے کہ عموماً نسب میں آدمی کا حلیہ منتقل ہوتا ہے۔ بیٹوں میں باپ کے نقوش پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح جب نبی کے ساتھ رشتہ ایمان استوار ہوتا ہے تو نبی کے قلب سے ماننے والے کے قلب میں کیفیات چلتی ہیں۔ ایک رشتہ بن جاتا ہے اور یہ رشتہ اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ جس طرح کی تجلیات نبی کے قلب میں ہوتی ہیں انہی کا پرتو ماننے والے کے دل میں چلا جاتا ہے۔ ایک رابطہ ہو گیا نا ایمان کا۔ جب یہ تجلیات مومن کے دل میں پہنچتی ہے تو اس میں ایک حال پیدا ہو جاتا ہے ایک کیفیت بن جاتی ہے۔ ایسی کہ اسے اللہ نظر نہیں آتا لیکن وہ کہتا ہے کہ اللہ سے اسے اتنا تعلق ہو جاتا ہے کہ "میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔" ایسا کہ وہ اللہ سے باتیں نہیں کر سکتا لیکن ہر وقت گویا اللہ ہی سے بات کر رہا ہوتا ہے۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ

اللہ کرے عشق کا بیمار تجھے بھی
روتا ہوا دیکھوں پس دیوار تجھے بھی

اب یہ دیواروں سے باتیں کرنا کوئی تک نہیں بنتی۔ آپ اللہ اکبر کہہ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو سامنے تو دیوار ہی ہوتی ہے۔ اب بیت اللہ شریف تشریف لیجاتے ہیں تو چند پتھروں کا بنا ہوا ایک کمرہ ہی نظر آتا ہے لیکن کوئی مومن کے دل سے پوچھے کہ اسے نہ یہ دیوار نظر آتی ہے نہ وہ کمرہ کمرہ دکھائی دیتا ہے اسے تو کوئی اور ہی نظر آ رہا ہوتا ہے جو دکھائی نہ دیتے ہوئے بھی دکھائی دے رہا ہوتا ہے۔ نیا دوسرے کی بات تو یہی ہے کہ نظر اسے دیکھ ہی نہیں سکتی لیکن وہ نظر آ رہا ہوتا ہے آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جسے نگاہ دیکھ نہیں سکتی وہ نظر آ جائے اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ تعلق اتنا مضبوط ہو جائے۔ نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر کے ساتھ کہ رو بیت نبوت جو ہے وہ اپنے قلب کی رویت بن جاتی ہے کسی نے شعر کہا ہے دعموماً شاعر ڈینگیں مارتے ہیں۔ لیکن اتفاقاً کام کی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں۔

سیاہی آنکھ کی لے کر میں تجھ کو نامہ لکھتا ہوں
کہ جب نامے کو تو دیکھے میری آنکھیں تجھے دیکھیں

یہ کیفیات جو قلوب انبیاء سے قلوب مومنین میں اور نبی کے کے قلب سے امتی کے قلب میں آتی ہیں۔ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ لذت نظارہ حاصل تو نبی نے کی لیکن نبی کے قلب سے مضبوط تعلق کی وجہ سے یہ انہیں آنکھوں سے اس نظارے کو دیکھ رہا ہو رہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اللہ کو روبرو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم اللہ کو نہیں دیکھ رہے ہو تو اللہ تمہیں یقیناً دیکھ رہا ہے۔" کم تر درجہ یہ ہے کہ کم سے کم تعلق ضرور

ہو کہ میرا رب تو مجھے دیکھ رہا ہے جب یہ کیفیت آجائے تو اسے کہتے ہیں تقویٰ۔ تقویٰ کا مطلب ترجمہ کرنے والے یہ لکھ دیتے ہیں کہ ڈر۔ لیکن یہ ترجمہ تقویٰ کا مفہوم ادا نہیں کرتا۔ تقویٰ دراصل "فقط ڈر" نہیں کسی کی ناپسندیدگی یا ناراضگی کہ کہیں ایسا نہ ہو اللہ کریم مجھ سے ناراض ہو جائیں۔ اب کسی کی خفگی کا ڈر، کسی کی ناپسندیدگی یا ناراضگی کا ڈر بغیر تعلق کے تو نہیں ہوتا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اگر کوئی یہ راستہ اپنا لے۔ پوری طرح سے اپنا عقیدہ درست کر لے دیکھو کہ ایمان انہیں عقائد کا نام ہے جو آقائے نامدارؐ نے فرمائے۔ ان میں ہیں، آپ، کوئی پیر، مولوی، بادشاہ، حاکم یا امیر و سلطان کوئی بھی چاہیئے کہ باوجود ان میں بڑھانے کا اختیار رکھتا ہے نہ گھٹانے کی اجازت ہے کم یا زیادہ کرنے کی صورت میں وہ ایمان نہیں رہے گا جو حقائق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماننے کا حکم دیا ہے۔ اسی کا نام ایمان ہے وہی اسلام ہے۔ ایمان کیساتھ تقویٰ لازم ہے اس لیے کہ ایمان کا تو خاصہ ہی یہی ہے۔ ایمان تو وہ رشتہ ہے جو قلب میں ان کیفیات کو وصول کرتا ہے جو قلب اطہر رسول مقبولؐ میں ہے۔ ہر شخص اپنے حوصلے اور استعداد کے مطابق انہیں حاصل کرتا ہے کسی کے پاس اگر پیالہ ہے تو وہ غریب پیالہ ہی بھر سکتا ہے جس کے پاس بالٹی ہے وہ بالٹی بھر لے گا۔ اور جس کے پاس مٹکا ہے وہ مٹکا ہی بھرے گا لیکن بھرے گا اسی چشمے سے) اللہ فرماتا ہے بس یہ دو کام کرے پھر دیکھے میری طرف میں آسمان سے اس کے لیے برکات کا دروازہ کھولتا ہوں۔ زمین سے برکات کے در وا کرتا ہوں۔ یہ برکت اور برکات کیا ہوتی ہیں؟ برکت کا آسان اردو میں ترجمہ میں نے فراوانی کیا ہے کسی بھی نعمت کی زیادتی کو (مصیبت کی زیادتی کو نہیں) کسی راحت کی فراوانی کو برکت کہتے ہیں۔ اب یہ زیادتی کئی طرح سے ہوتی ہے۔ حضورؐ نے ایک پیالہ پانی میں انگلیاں ڈبو دیں اور ایک لشکر کو جو ساتھ تھا سیراب کیا گیا۔ لشکر کے گھوڑوں کو پانی پلایا گیا اور جو مشکیزے تھے وہ بھی بھر لیے گئے مگر پھر بھی پیالے میں پانی باقی تھا۔ پیر تھوڑی سی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت ہائے مبارک اس میں رکھیں۔ اس کی برکت سے ایک پیالے سے اونٹوں، گھوڑوں، سواروں اور پیادوں نے پانی پیا، مشکیزے بھرے گئے مگر پھر بھی پیالہ لبالب تھا۔

دوسری صورت برکت کی یہ ہوتی ہے کہ آپ جس کام کیلئے اسے استعمال کر رہے ہیں وہی فائدہ اس سے ہو مثلاً پانی پیا پیاس بجھانے کے لیے تو اس سے پیاس ہی بجھے یہ نہ ہو کہ قے آنا شروع ہو جائے۔ کھانا کھانے سے طاقت ہی حاصل ہو۔ بیماری نہ ہو۔ تیسری صورت برکت کی یہ ہے کہ کام تھوڑا کیا جائے لیکن نتائج زیادہ نکل آئیں۔ بیج تھوڑا بویا جائے مگر فصل زیادہ اگ جائے۔ سینکڑوں گنا زیادہ۔ اسی طرح وقت میں برکت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک گھنٹے میں اتنا کام کر لیا جتنا دس گھنٹوں میں بمشکل ہو پاتا ہو۔

زمین سے روئیدگی، پھل، ہوائیں، فضا، آسمانی اثرات سورج، چاند، ستارے، دن، پیدا کرتی ہے۔ موسموں کے تغیر و تبدل یہی ساری چیزیں ہیں۔ جو انسانی مزاج میں شدتیں اور تکلیفیں پیدا ہوتی ہیں۔ بیماریاں ہوتی ہیں۔ دکھ آتے ہیں۔ تکالیف ملتی ہیں تو اللہ کریم فرماتے ہیں۔ ان سب کا علاج یہی ہے۔ ایمان اور تقویٰ۔ سورج کو تم باندھ نہیں سکتے کہ سورج پہ تمہاری حکومت ہے نہ چاند کی شعاعوں پہ تمہارا راج ہے۔ نہ دن کو روک سکتے ہیں نہ رات کو وقت سے پہلے بلا سکتے ہیں۔ تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اس لیے ایسا کرو کہ اپنا عقیدہ صحیح کر لو۔ اور اس طرح سے اطاعت کرو جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ وہ کیفیات تمہاری حیثیت کے مطابق تمہارے دل میں آجائیں، تمہیں تقویٰ نصیب ہو۔ اللہ کریم فرماتے ہیں: "اگر یہ لوگ ایمان درست کر لیتے تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمانوں اور زمین سے ان کے لیے برکات کے دروازے وا کر دیتے۔" لیکن ہوا کیا؟

وَلٰکِنْ کَذَّبُوْا: لوگوں نے ارشادات نبوی کو ٹھکرا دیا۔ تکذیب کی ان کی۔ آپ دیکھیں حیرت ہوتی ہے۔ ایک تو یہ ہوتا ہے کہ آدمی کہے بات وہی درست ہے۔ جو حضورؐ نے فرمائی۔ پھر بھی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے۔ لیکن مسلمان اپنے مسلمان ہونے پر بھی اصرار کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہے جاتا ہے کہ یہ کام اگر ارشاد نبویؐ کے مطابق کر دوں تو میری ناک کٹ جائے گی۔ اگر رسم کے مقابلے میں یہ کہہ دیں کہ سنت پہ عمل کیا جائے تو اس میں بے عزتی کا اندیشہ اور عزت

کا مسئلہ در پیش آ جاتا ہے۔ شادی تو شادی رہی اگر جنازے پہ کہہ دیا جائے کہ مسنون طریقہ یہ ہے یا سنت کے مطابق جنازہ دفن کر دو تو کوئی نہیں کرتا اس لیے کہ ناک کٹتی ہے۔ ایسا بد نصیبی کا دور ہے کہ قاعدے کے مطابق، مسنون طریقے کے مطابق مسلمان کا مردہ بھی دفن نہیں کیا جاتا۔ اسے رسومات سے، دعوتوں سے اور طرح طرح کی خرافات سے سجاتے ہیں اور اسی میں شان سمجھی جاتی ہے۔ یعنی سنت پہ عمل پیرا ہونے سے ایک بے عزتی کا اندیشہ ہے تو پھر اور تکذیب کیا ہوگی تکذیب تو اسے ہی کہتے ہیں کہ کسی بات کو نہ مانا جائے۔ اس کے خلاف عمل کیا جائے اور جب اسے باعث توہین قرار دیدیا جائے تو اس سے بڑی تکذیب اور کیا ہے؟ یعنی فقط انکار ہی نہیں قبول کرنے سے بلکہ اسے باعث ذلت بھی خیال کیا جاتا ہے۔ تو پھر یہاں تکذیب تو بہت چھوٹا ہوا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔ جب لوگ تکذیب کرتے ہیں انبیاء علیہ السلام کی تو ہم پکڑ لیتے ہیں۔ پھر ان کرداروں کو ان اعمال اور کرتوتوں کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں۔ 'وان کذب' لوگوں نے جھٹلایا 'واخذنا' ہم نے انہیں اپنی گرفت میں کس لیا۔

آپ کسی سے پوچھو کوئی سکون میں نہیں، کوئی لطف نہیں زندگی کا۔ نہ صحت ٹھیک، نہ گھر کے حالات درست، نہ بچے بات مانتے ہیں۔ نہ والدین پرواہ کرتے ہیں، نہ بڑوں کا لحاظ کرتے ہیں۔

ارے یہ کیا مصیبت ہے؟ ہر طرف پریشانی تیرے لیے ہی رہ گئی ہے؟ لیکن ان سب پریشانیوں میں گھرے ہوئے آدمیوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ یہ سب پریشانیاں مصیبتیں اور دکھ تیرے اپنے پیدا کردہ ہیں اللہ کریم فرماتے ہیں جب نبی کی تکذیب ہوتی ہے جب میری باتوں کو جھٹلایا جاتا ہے پھر میں پکڑ لیتا ہوں۔ اپنی گرفت میں کس لیتا ہوں۔ اس کا منطقی نتیجہ تو ہے جو اس پر مرتب ہوتا ہے۔ پھر ہم بھاگتے ہیں۔ مختلف حیلے کرتے ہیں۔ مختلف تجویزیں سوچتے ہیں۔ تدبیریں کرتے ہیں لیکن اصل اور آسان طریقہ بالآخر یہی ہے کہ عقیدہ درست کیا جائے اور اپنے کردار کو اتباع رسالت کے ساتھ ملایا جائے۔ اب یہ ایسا کام ہے جسے اگر کوئی کرلے تو اس کے لیے آگ گلزار ہو سکتی ہے اگر اتباع رسالت ایک آدمی اختیار کرلے تو ایک آدمی کا حال درست ہو جائے گا ایک خاندان کرلے اس خاندان پہ برکات کا نزول ہو جائے گا۔ پوری قوم کرلے پوری قوم کا حال بہترین ہو جائے گا۔ کسی بھی کرنے والے کا کردار ضائع نہیں ہوگا۔ اور اس کے علاوہ جتنے حیلے ہم کرتے ہیں جتنی بھاگ دوڑ ہم کرتے ہیں میرے خیال میں وہ صحیح علاج نہیں اس لیے کہ جب اللہ کی طرف سے کوئی مصیبت آتی ہے تو اسباب اس کا تدارک نہیں کر سکتے۔ موت آجائے تو حکیم بھی بیوقوفی کی باتیں بتانے لگتا ہے۔ دواؤں کی تاثیر بدل جاتی ہے، ہواؤں کی تاثیر بدل جاتی ہے۔ غذاؤں کی تاثیر بدل جاتی ہے۔ اب اس کا کیا علاج ہو؟ ہوا زندگی کے لیے ضروری ہے۔ لیکن کوئی عاد سے جاکر پوچھے ہوا نے انہیں کس طرح پٹخا۔ پانی بنیادی عنصر ہے زندگی کا لیکن کوئی قوم نوح[ؑ] سے جاکر پوچھے کہ پانی کس طرح موت کا عذاب لاتا ہے۔ اب دوسرا رخ دیکھئے آگ تباہ کرنیوالی شئے ہے جلا کر راکھ کر دینے والی لیکن ابراہیم[ؑ] کے لیے گلزار بن گئی۔ جو درخت جل رہا تھا وہ سرسبز ہو کر کھڑا ہو گیا۔ یعنی یہ قوت ایمان اور تقویٰ تھی جس نے ابراہیم[ؑ] خلیل اللہ کے لیے آتش کو گلزار بنا دیا۔

ان چند مثالوں ہی پہ اگر غور کر لیا جائے تو بات کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ تکذیب کی خدا تعالیٰ کے پیغمبر کی قربانی اور ہوا موت کا پیغام لائے حالانکہ یہ دونوں زندگی کی بنیادی ضروریات میں سے ہیں۔ بلکہ ان کے بغیر زندگی کا تصور ہی ناممکن ہے۔ اور جہاں ایمان اور تقویٰ کی طاقت و قوت تھی وہاں آگ ہر ہر چیز کو جلا کر تباہ و برباد کر دینے والی ٹھنڈک پہنچانے والا گلزار بن رہی ہے۔ اور پھر جب ہمارے تمام اعمال و افکار کا بنیادی محرک ہی آسائش و سکون حاصل کرنا ہے تو پھر کیوں نہ ایمان و تقویٰ اپنے قلوب میں راسخ کر لیا جائے کہ اس کے بعد اس قادر المطلق کا وعدہ ہے "میں آسمان و زمین کی برکات کا در کھول دوں گا"۔

اے یادِ منارہ

تیری چاہت کسی سے کم نہیں ہے
"منارہ" چاند سے تو کم نہیں ہے

کسی کی یاد تڑپاتی بہت ہے
اگرچہ آنکھ یہ پُر نم نہیں ہے

دلِ پُر درد لے جاؤں کہاں پر
سوا تیرے کوئی مرہم نہیں ہے

تیرے پتھر میری چاہت کے موتی
کسی تارے سے موتی کم نہیں ہے

میرے ساقی تیرے دینے کی خیر
جبیں اب اور در پہ خم نہیں ہے

احمد نواز

حضرت جیؒ نمبر

"المرشد" عنقریب حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق ایک یادگار نمبر شائع کر رہا ہے جس کیلئے آپ کی یادداشت اور تحریروں کی ضرورت ہے۔ آپ نے حضرت جیؒ کو دیکھا۔ اُن کی صحبت نصیب ہوئی، اُن کو سُنا، اُن سے سیکھا، اُن سے بہت کچھ حاصل کیا، اپنی یادداشت کو تحریر میں

○ لایئے ○

- ○ وہ حضرات جو حضرت جیؒ کے متعلق معلومات اور یادداشت کا ایک خزانہ سینے میں لیے پھرتے ہیں لیکن تحریر میں لانے سے گھبراتے ہیں۔ تو گھبرایئے مت، آپ جیسا بھی لکھ سکتے ہیں اپنی زبان میں لکھکر بھیجیے، ہم اُسے مناسب تحریر میں لے آئیں گے۔
- ○ اگر آپ لکھ نہیں سکتے تو کسی ایسے ساتھی کی مدد حاصل کریں کہ آپ زبانی بیان کریں اور وہ لکھتا جائے یا اپنی زبان میں یادداشت ریکارڈ کر کے کیسٹ ہمیں بھیج دیجیے۔
- ○ اگر آپ کے پاس حضرت جیؒ کی کوئی تحریر ہو تو اسکی صاف فوٹو کاپی بھیجیے۔
- ○ اگر آپکے پاس حضرت جیؒ کی گفتگو یا بیان کے ریکارڈ کیسٹ ہوں اور آپ تحریر کر کے بھیج سکتے ہیں تو سبحان اللہ ورنہ کیسٹ کاپی بھیج دیجیے۔

آپ کے تعاون سے ھی ایک یادگار نمبر مکمل ھوسکتا ھے؛

مدیر ماہنامہ "المرشد"

۲/A ۱۵۲ : گلبرگ ۳ لاہور

غیر سیاسی ڈائری

حرفِ شکایت

تاج رحیم

اللہ جانے ہر شخص کو، ہر وقت، ہر چیز سے شکایت کیوں ہے عوام ہے تو ان کو حکمرانوں سے شکایت ہے۔ حکمرانوں کو بیوروکریسی سے شکایت ہے۔ بیوروکریسی کو نواز شریف سے شکایت ہے۔ نواز شریف کو بے نظیر سے شکایت ہے بے نظیر کو مرحوم ضیاء الحق سے شکایت ہے کہ ملک کا ستیاناس کر کے خود چلا گیا اور مصیبت ہمارے گلے ڈال گیا۔ علماء دین اور مشائخ عظام کو شکایت ہے کہ یہ کیسا مسلمان ملک ہے؟ کیا سب مر گئے ہیں جو وطن کا اتنا بھاری بوجھ اس خاتون کے جسم نازک پر ڈال دیا گیا ہے۔ ناز و نعم میں پلی ہوئی لاغر و نازک جسم والی خاتون کے ساتھ ناانصافی ہے۔

شکایتوں کے اس بھنور میں تو سر یوں چکرا گیا ہے کہ دل چاہتا ہے دنیا ترک کر کے جنگل کے کسی خاموش گوشے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کیا جائے لیکن ڈر ہے وہاں کے جانوروں کو شکایت پیدا ہو گئی تو؟

پیپلز پارٹی کے وزراء کو مولویوں سے سخت شکایت ہے کہ وہ ان کو "پیپلئے" کہتے ہیں ان سے تو سکھ اچھے جو ہمیں "موسلے" کہتے ہیں۔ ہر شکایت کا علاج تو ممکن نہیں البتہ پارٹی کی چند شکایات پر غور کیا جا سکتا ہے اور پھر صرف وفاقی وزراء کی ایک متفقہ شکایت کا ازالہ بھی۔ ان بے چارے وفاقی وزراء کو مولویوں کی بھنبھناہٹ سے جو شکایت ہے اس کا علاج کسی ماہر نے ان کو بتا ہی دیا۔ اللہ اس معالج کا بھلا کرے۔ لیکن معالج سے یہ شکایت بے جا نہ ہوگی کہ آخر وہ بھٹو صاحب کے دور حکومت میں کہاں تھے؟ اس وقت یہ علاج کیوں نہ تجویز کیا ان کی جان تو بچ جاتی لیکن معالج کو شکایت ہے کہ اس وقت میڈیکل کالجوں کی شدید کمی کی وجہ سے ان کو داخلہ نہیں ملا تھا وہ علاج یوں تجویز ہوا کہ فوراً پارٹی میں مولویوں کو بھرتی کیا جائے اور ان کے لیے علیحدہ شعبہ "ذیلی تنظیم علماء دین" پارٹی میں قائم کیا جائے (یوں بھی تو مولوی ایک علیحدہ مخلوق ہے) اس تحریک کے دو نیک مقاصد ہیں ہمارے بے شمار دینی مدرسوں سے جو کچے پکے مولوی فارغ ہوتے ہیں ان کی ملازمت کا جائز بندوبست ہو جائے گا (جو پارٹی کے منشور کا حصہ ہے)

دوسرے یہ کہ ان کی ذہنی قوت کو چاق وچوبند رکھنے کے لیے مخالف مولویوں سے دنگل کروائے جائیں گے اور انشاء اللہ جیت پارٹی کے مولویوں کی ہوا کرے گی ڈاکبر اعظم اور انگریزوں کا آزمودہ فارمولا ہے، آخر مساجد کے مولویوں کو کھانے کو ملتا ہی کیا ہے۔

اس تنظیم کے لیے ہیڈ کوارٹر کے طور پر جس شہر کا انتخاب ہوا ہے وہ ہے شہر "لاہور" زندہ دلانوں کا شہر، دنگلوں کا شہر، جلسے جلوسوں کا شہر، جماعت اسلامی کا شہر، نواز شریف کا شہر، مولویوں کا شہر۔ آخر یہ داتا کی نگری ہے سدا آباد سدا بہار رہے گی۔

ایک وفاقی وزیر صاحب جن کا اسم گرامی ڈاکٹر شیر افگن ہے ان کی ڈاکٹری تو غالباً ان قحط زدہ دنوں کی یاد ہے جب محنت کر کے کمانا پڑتا تھا اور وزارت جیسی ملازمت اچھوتوں کے لیے ممنوع تھی۔ نام سے یہ فرہادِ کوہ کن کی سی عظمت والے لگتے ہیں۔ اپنی پارٹی کے لیے نہ سہی پیپلز پارٹی کے لیے تو واقعی جوئے شیر نکال لائے ہیں۔ تمام علماء دین اور مشائخ عظام کو چیلنج دیا ہے کہ حضرات! آپ متفقہ شریعت بل لے آئیے۔ ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر اسمبلی میں پاس نہ کروا دیا تو ہمارا نام شیر افگن کوہ کن نہیں۔ چیلنج بڑا معقول ہے پیپلز پارٹی کے اسلامائزیشن کے ارادے پر ہرگز شک نہیں کیا جاسکتا۔ آخر پارٹی اسمبلی میں بل پاس کرنے کا اختیار تو رکھتی ہے اور خلوص دل کے ساتھ وہ اس اختیار کو وعدے کے مطابق استعمال کرنے کو ہر وقت تیار ہے بل تو لائیے۔

ڈاکٹر صاحب سے عرض ہے کہ آپ تو ہوئے کوہ کن۔ بیچارے علماء کے لیے اتنا سخت چیلنج! ذرا نرمی سے کام لیجئے علماء کے ادب کا بھی خیال رکھیے۔ اتنی محنت ومشقت سے چندے اکٹھے کر کے جو علیحدہ علیحدہ مساجد تعمیر کی ہیں اتنی سوچ بچار اور غور و تحقیق کے بعد اپنے اپنے مکتب فکر قائم کئے ہیں اتنی عرق ریزی اور تقریر و تحریر کے بعد جو اپنے اپنے مکتبِ فکر پر چلنے والے پیدا کئے ہیں ان سب کو ڈاکٹر صاحب ایک ہی چیلنج میں ڈھانے کی سوچ رہے ہیں لیکن ڈاکٹر

۞

ہمارا اگلا شمارہ

سالنامہ ہوگا

صاحب سائیکاٹرسٹ لگتے ہیں کہ نہ شریعت بل بنے گا نہ اسمبلی میں آئیگا اور نہ ہی ڈاکٹر صاحب کو جونیجو صاحب کی طرح کرسی سے برخاست ہونے کی شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔ البتہ ڈاکٹر صاحب کو شکایت علماء سے اپنے دورِ وزارت کے آخری گھڑی تک قائم رہے گی (اور بعد میں بھی) کہ متفقہ شریعت بل کیوں نہیں لائے اور علماء کو ڈاکٹر صاحب سے یہ شکایت رہے گی کہ دین میں ذرا بھی سدھ بدھ نہیں اور بات کرتے ہو شریعت کی۔ اور بے نظیر صاحبہ کی شکایت مرحوم ضیاء الحق سے بھی ویسے ہے کہ خود ہی اسلامائزیشن کر لیا ہوتا۔ ہم تو ہا در ڈ۔ کے پڑھے ہیں یہ جنجال ہمارے سر ڈال دیا اور ہمارے سر پر دوپٹے کا بوجھ ڈال کر ہمیں ٹی وی کیمرے کے سامنے تسبیح کی زنجیری دے کر بٹھا دیا اب تو مزاروں پر چادریں بھی چڑھانا پڑتی ہیں"

شکایت! حکمرانوں تک کو اس معاملے میں اس قدر ہے بس دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں کہ مجھ ناچیز کو، چیز بنایا۔ یہ بہت ہی اچھا کیا حکمران بن کر رونے والوں کو کیا پتہ کہ ہم خاک نشینوں کی "اللہ ہو" کی تڑپ میں کیسا سرور ہے

ہر مصیبت میں اللہ کو یاد کرو

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ....

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

بعض جذبات تخلیقی طور پر مزاج کا حصہ ہوتے ہیں اور جب ان کے محرکات پیدا ہوتے ہیں تو انسان سے فطری طور پر ان کا اظہار ہو جاتا ہے۔ جیسے غصہ، خوشی، دکھ، بعض پیچیدہ ہیں کہ جب موقع آتا ہے تو بے اختیار انسان سے اظہار ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ فطری بھی انسان کے ساتھ سمو دی ہے۔ اور وہ ہے اللہ کے سامنے فریاد کا کرنا، اللہ سے مدد کا چاہنا، اللہ کو پکارنا اللہ جل شانہ سے دعا کرنا اور یہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ اپنی عمومی زندگی میں مذہب کا انکار کر دیتے ہیں۔ ذات باری کا انکار کر دیتے ہیں۔ آنحضرتؐ کا انکار کر دیتے ہیں۔ لیکن جب خاص طور پر سمندری طوفان میں پھنس جائیں اور ان کے ہاتھ ڈولنے لگیں تو بغیر سوچے سمجھے، بغیر کسی سے مشورے کے، وہ اللہ کو پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ فطری طور پر انسان کے مزاج میں ہے اللہ کو پکارنا، اور یہ اکثر اہل عرب بھی کسی افتاد پر یا سمندری سفر میں کشتی ڈوبنے لگتی، بری راستوں میں کسی کا واسطہ ڈاکوؤں سے پڑ جاتا ہے یا کوئی اور مصیبت آن پڑتی پھر اللہ ہی کو پکارتے۔ تو یہ ایک فطری جذبہ ہے۔

المرشد کے ایک شمارے میں ایک واقعہ درج تھا کوئی آدمی یورپ سے عرب آیا کسی کے پاس ٹھہرا، اللہ جل شانہ، کے وجود پہ بات چل نکلی تو کہنے لگا اس پر کوئی دلیل ہے ہمہ ایک بات ہے جو کہہ دی گئی ہے۔ اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو ہمیں سمجھاؤ۔ اس نے کہا جی میں تجھے کیسے سمجھاؤں تم سرے سے انکار ہی کر رہے ہو۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ پھر تم یہاں لینے کیا آئے ہو؟ آیا تو حج کی غرض سے تھا۔ مدینہ منورہ سے واپسی پر اس کا کہیں ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ جب جدہ پہنچا تو سارا جسم پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا۔ دیکھا تو پوچھا کہ آپ کی جان تو بچ گئی۔ کہنے لگا اللہ نے بچا لیا۔ بس یہی دلیل ہے اس کے وجود کی۔ اب تم خود کہہ رہے ہو کہ اللہ نے بچا لیا۔ یعنی اندر سے تجھے پتہ ہے کہ کوئی بچانے والا ہے۔

انسان کہیں بھی چلا جائے اس کے مزاج میں یہ بات ہے کہ کوئی ایسی ہستی ہے لیکن ایک مرض ایسا بھی ہے جو کہ فطری جذبہ کو بھی مدھم کر دیتا ہے۔

یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تمہیں اچانک عذاب آجائے یعنی تم پہ قیامت ٹوٹ پڑے تم پر ایسا حادثہ ہو جو تمہیں تہہ و بالا کر دے تم پر زلزلہ آجائے کوئی آسمانی بجلی گر پڑے کسی بے پناہ بارش میں غرق ہونے لگ جاؤ بے پناہ تیز ہوائیں چلنے لگیں، درخت اکھڑنے لگیں، مکان گرنے لگیں، زمین پھٹنا شروع ہو جائے۔

تم اللہ کے سوا کس کو پکارو گے۔ فرمایا انہی کو کہو کہ تم اپنے ایمان سے اپنی رائے سے کہہ دو، اپنے اندر سے اپنے ضمیر سے اپنے دل سے پوچھ کر بتاؤ کہ تم کس کو پکارو گے۔ کسی بت کو، کسی انسان کو، کسی فرشتے کو، کس کے سامنے

فریاد کرو گے۔ اگر تم اللہ کے سامنے دوسروں کو شریک بنانے کی، دوسروں کو معبود بنانے میں سچے ہو تو پھر چاہیئے کہ اس وقت ان کو بھی پکارو، ان میں بھی تو کسی کا آسرا پکڑو۔ لیکن اگر ایسی صورتحال سے کوئی دوچار ہوتا ہے تو سوائے اللہ کے کسی کا نام نہیں لیتا۔

تھا کہ ان کا وہ جذبہ جو شدید میں مبتلا ہو کر اللہ کی طرف لوٹنے کے لیے مزاج انسانی میں رکھا گیا ہے۔ وہ بیدار ہو جائیگا انہیں جو ان سزاؤں میں مبتلا کیا جب ان پر دباؤ پڑے گا تو یہ مجھے پکاریں گے۔ تو میں ان کی ہدایت کا سامان بھیج دوں گا تو یہ شدائد میں مبتلا کرنا بھی ان پہ رحم تھا۔

جس پر بھی اسطرح کی مصیبت بنے اللہ کو پکارتا ہے۔ اپنے اندر سے جانتا ہے کہ وہی ایک ہستی ہے جو اس مصیبت میں چاہے تو نجات دیدے وہ ایک ہستی ایسی ہے جو قادر ہے وہ چاہے تو مصیبت کو آرام میں بدل دے چاہے تو اسے روک دے روکنا چاہے تو اس کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ اس لیے ہر شخص وہ نیک ہو یا بدکار ہو، مومن ہو یا کافر جب ایسی افتاد پڑتی ہے تو اللہ کو پکارتا ہے۔

فرمایا جو کوئی اس نے اللہ کے شریک اور بنا رکھے ہیں برابر کے حصے دار، سب کو بھول جاتا ہے۔ سب کو چھوڑ دیتا ہے۔ صرف اللہ کو پکارتا ہے۔ لیکن ایک مرض ایسا بھی ہے جس حال میں لوگ اللہ کو پکارنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اس پہ انسان کی تاریخ گواہ ہے۔

فرمایا آپ سے پہلے جو قومیں گزریں ہم نے ان کی طرف رسول بھیجے اور جب انہوں نے ہمارے پیغام کا انبیاء کی تعلیمات کا انکار کیا۔ فاخذنٰھم بالباسآءِ والضرآءِ ہم نے انہیں تنگ دستی سے بیماریوں سے مختلف شدائد میں مبتلا کر کے عذاب الٰہی کی مختلف صورتوں میں انہیں گرفتار کیا ایسی عجیب بلاؤں میں مبتلا کیا۔

جیسے ہم دیکھتے ہیں یورپ میں کہ ایک مرض کا علاج دریافت نہیں ہوتا کہ ایک نئی بیماری آتی ہے جس مرض کا علاج نہیں ہوتا یعنی ابھی تک کینسر کا علاج نہیں مل رہا تھا تو ایڈز جیسی مرض آ گئی۔ لاکھوں انسان اس میں مبتلا ہیں ہر طرح کی جدید مشینری ان کے پاس ہے ٹیکنالوجی ہے، جدید ادویات ہیں اور ان کے لاکھوں آدمی امریکہ میں برطانیہ میں فرانس میں تمام یورپ میں لاکھوں انسان ہیں۔ جو موت کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ اور بے بس ہیں۔ ان کا کوئی علاج نہیں موت کا انتظار کر رہے ہیں۔

فرمایا۔ قوموں پر ہم نے بیماریاں تنگیاں، مختلف عذاب ان عذابوں میں گرفتار کرنا بھی ان کے لیے بھی ایک طرح کی بھلائی تھی یعنی انہیں محض تنگ کرنا مقصد نہیں تھا۔ مقصد یہ

لیکن ہوا یہ کہ انہوں نے توبہ نہیں کی آخر بات کیا ہے ہمارے سامنے آج بھی یہ لوگ موجود ہیں یہ آتنی بے بسی سے دوچار ہیں بڑھ ہی رہے ہیں واپس نہیں آتے کیوں؟

فرمایا۔ ولکن قست قلوبھم اس لیے کہ ان کے دل تباہ ہو گئے۔ یعنی یہ جو قساوت قلبی ہے دل کی سختی جو ہے دل کا سیاہ ہو جانا جو ہے یہ اتنا بڑا مرض ہے کہ انسان کی فطری صلاحیتیں جو ہیں توبہ کرنے کی یا اللہ کے قرب کو حاصل کرنیکی یا گناہ سے واپس آنے کی ان تک کوئی اطلاع نہیں پاتے۔ اور اگر دل تباہ ہو جائے تو انسان کے پاس واپسی کا راستہ ہی نہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔ ہماری ربوبیت کا تقاضا تھا ہم نے تو ان کی ہدایت کا سامان کیا نبی اور رسول بھیجے، بہت بڑا ہدایت کا سامان کیا اللہ کریم نے۔ ان کے پاس اللہ کی کتاب ہوتی ہے۔ اللہ کا دین ہوتا ہے اللہ کی پسند و ناپسند سے وہ آگاہ فرماتا ہے۔ اب اگر اس پہ انہیں ہدایت نصیب نہ ہوئی تو ان میں یہ استعداد نہیں تھی کہ نبی کے ارشادات سے اپنے دل منور کرتے، ہم نے ان پر مصیبتیں تنگیاں، بیماریاں بھیجیں ان میں مبتلا ہو کر تو مجھے پکاریں گے۔ یہ تو فطرت میں ہے لیکن انہوں نے نہیں پکارا۔ پھر اس کی وجہ ارشاد فرمائی۔

جب یہ انسانی فطرت ہے تو پھر انہوں نے کیوں نہیں پکارا۔ فرمایا:۔

ان کے دل پھٹ گئے اس لیے کہ ان کے دل اس

درجہ سخت ہو چکے تھے کہ ان میں قلب انسانی والی بات نہیں رہی تھی۔ اور یہ ساری خصوصیات جو ہوتی ہیں قلب کی ہوتی ہیں۔ یہ ساری جبلی خصوصیات جو ہیں یہ رحم کرنا یہ محبت کرنا یہ دکھ میں رونا۔ کسی کی خوشی میں شریک ہونا۔ یہ دل کی باتیں ہیں۔ تو جب دل تباہ ہو جاتا ہے تو بے شمار اوصاف اس کے ساتھ تباہ ہوتے ہیں جب کوئی مکان گرتا ہے تو بے شمار چیزیں ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں۔ آپ کسی گرے ہوئے مکان سے اس کا سالم ملبہ نہیں اٹھا سکتے۔ چھت کی کڑیاں ٹوٹی ہوں گی اینٹیں بے شمار ٹوٹ جائیں گی۔ بے شمار چیزیں ایسی ہیں جو دوبارہ کام نہیں لائی جاتیں۔

انہوں نے کلی طور پر بھلا دیا۔ پھر بھی اللہ کریم نے ان کے ساتھ کوئی جلد بازی نہیں کی بلکہ ہم نے ان کے لیے دوسرا دروازہ کھول دیا۔ ہم نے ان پر نعمتیں عام کر دیں۔ چلو اگر تمہیں تنگی میں میرا خیال نہیں آتا تو میں تمہیں دولت کے انبار دے دیتا ہوں۔ حکومت و سلطنت دے دیتا ہوں۔ پیسہ دے دیتا ہوں۔ کھانے کو پہننے کو رہنے کو دے دیتا ہوں۔ شاید تمہارا یہ جذبہ باقی ہو اور تمہیں یہ خیال آ جائے کہ جو ہمیں اتنی دولت دے رہا ہوں۔ ہم اس کی نافرمانی نہیں کرتے شاید اس طرح سے تم جذبات تشکر کا احسان مندی کا احساس ہو۔ اور یہ راستہ تمہاری واپسی کا ہو جائے۔ لیکن فرماتے ہیں ہوتا یہ بھی اتمام حجت

> جب دل تباہ ہوتے ہیں تو بیشمار جذبے ایسے ہیں جو ختم ہو جاتے ہیں۔ فرمایا: ان کا فطری جذبہ دل کی تباہی کے ساتھ تباہ ہو چکے تھے۔ اور جب یہ تباہ ہوتے ہیں تو پھر دل میں از خود اللہ کی تائید یا اللہ کے دیئے ہوئے نور سے دیکھنے اور سننے کی طاقت ختم ہو جاتی ہے۔ پھر وہ شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے شیطان کے کانوں سے سنتا ہے۔ اور شیطان ہر برائی انہیں سجا کر پیش کرتا ہے۔

آپ معاشرہ میں دیکھتے ہیں نا لوگ ڈاکہ کرتے ہیں قتل کرتے ہیں۔ چوری کرتے ہیں اس پر فخر کرتے ہیں میں نے اتنے ڈاکے کیے۔ آیا یہ فخر کرنے کی بات ہے اگر کسی نے بھوکا مرتے ہوئے ایک ناجائز ذریعہ اختیار کیا ظلماً کسی کے پیسے چھین لیے تو یہ تو شرم آنے کی بات ہے۔ فخر کرنے کی بات نہیں ہے۔ حالانکہ فخر کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے نظریے کے مطابق اس سے وہ قابل فخر بات سمجھتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اسے شیطان کی نگاہ سے دیکھتا ہے اگر تو وہ اللہ کے نور سے نبی کے نور سے پیغمبر کے ارشادات کی روشنی میں دیکھے تو اسے شک محسوس ہو تو فرمایا۔ شیطان بھی انہیں ان کی برائیاں سجا کر اور خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے بہت بڑا کام کیا۔ ہم نے بڑا تیر مارا۔ ہم بہت بہادر ہیں۔ اور یہ نتیجہ ہوتا ہے دل کی تباہی کا۔

حتیٰ کہ جس چیز کے لیے انبیاء مبعوث کیے گئے جس کی طرف انہیں دعوت دی گئی جس کی انہیں نصیحت کی گئی اسے

ہی ہے دل تباہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اور سختی میں اللہ کو نہیں پکارتا تو اس پہ جب نعمت آتی ہے تو وہ اور ہی گمراہ ہوتا ہے اس دولت کو وہ اپنا کمال سمجھتا ہے۔

اس سے وہ اور اکڑ جاتا ہے وہ سمجھتا ہے یہ ہمارا ذاتی کمال ہے۔ ہم نے زور و بازو سے کما لیا۔ یا اپنی دانائی سے یا اپنی عقل مندی سے یا اپنی ہنر مندی سے یہ سب کچھ لے لیا جب اس جگہ بات پہنچتی ہے تو پھر اس بات کا انتظار کرو کہ پھر وہ اچانک پکڑے گا۔

انہیں اچانک پکڑ لیتے ہیں پھر وہ تڑپتا ہے، ساری حجتیں تمام ہو چکی تھیں اور سوائے اس کے کہ ان پر صبح آئے یا شام آئے عذاب کا حملہ باقی ہوتا ہے۔ کسی بھی لمحے آ جاتا ہے۔ اور وہ قوموں کی قومیں ملکوں کے ملک تباہ ہو جاتے ہیں۔ خون بہتا ہے۔ گھر جلتے ہیں۔ عزتیں لٹتی ہیں۔ قوموں کی قومیں تہ تیغ ہو جاتی ہیں شہروں کے شہر تباہ ہو جاتے ہیں۔ زمین تہ و بالا ہو جاتی ہے۔ خاندان اجڑ جاتے ہیں، بستیاں راکھ

کا ڈھیر بن جاتی ہیں۔ اولاً آبادیاں ویرانوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور یہ مسلسل نظام ہے چلا آرہا ہے۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد کیوں کہ امت ہی ساری انسانیت ایک امت بن گئی ہے اللہ نے یہ احسان فرمایا کہ ساری امت بیک وقت غرق نہ ہوگی بیک وقت عذاب میں مبتلا نہ ہوگی۔ کیونکہ ایسا ہو تو اس کا مطلب ہے قیامت آگئی۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ امتیں مختلف ہوتی تھیں۔ جس کو اللہ کریم باقی رکھنا چاہتا تھا اسے بچا لیا تھا اللہ کا یہ احسان ہے کہ اس امت کو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ فضیلت ہے کہ آپ کے طفیل عمومی عذاب سے ان کو بچا لیا گیا۔ لیکن یہ کیفیات علاقوں پر ملکوں پر مختلف قوموں پر وارد ہوتی رہتی ہیں۔ اس سے استثنا نہیں ہے کہ کلی طور پر آپ دیکھتے ہیں مختلف شہروں میں کیا ہوتا ہے۔ مختلف ملکوں میں کیا ہوتا ہے۔ مسلمان بھی اور کافر ممالک میں بھی مختلف میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ دنیا باقی ہے ایسی ہی لبنان میں ہوتی تھی۔ پہلی قوموں پہ آگ کم برسی ہوگی جتنی تین چار سالوں میں لبنان میں برس چکی ہے تو یہ اس طرح سے ایک نظام چل رہا ہے

ضروری نہیں کہ بہت بڑا گناہ ہو۔ تو ظلم کہا جائے گا۔ اردو میں کوئی بہت ہی بڑا یا بڑی خطا ہوئی ہے تو اسے ظلم کہا جائیگا۔

فرمایا جو لوگ غلط کار ہیں ان کا تو ہم نے نشان مٹا دیا۔ قطع رحم سے مراد ہوتا ہے کسی کی نسل ہی ختم کر دینا۔ یعنی اس کا پیچھے چلنے والا پیچھے نام لینے والا کوئی نہ رہے۔ اس کے پیچھے سلسلہ نسل ہی ختم ہو جائے۔

قَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ط۔ جو قومیں ظلم کرتی تھیں ان کا ہم نے نشان ہی مٹا دیا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ اور اس پہ بھی اللہ کا شکر کیا جانا چاہیے۔ یعنی ظالم کو سزا دینا بھی اللہ کی رحمت ہوتی ہے دوسرے افراد پر کہ انہیں ان کے ظلم سے نجات مل جاتی ہے۔ ظالم کو سزا دینا بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ رحم کا برتاؤ ہے ان کے ظلم سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کا احسان ہے اگر دنیا میں ظالموں کو اللہ نہ روکتا اس کا مطلب ہے جو جابر ہوتے وہ ساری دنیا پہ تباہی مچاتے ہی رہتے غارت گری کرتے ہی رہتے۔ اللہ کی گرفت اگر ان پر مسلط نہ ہوتی تو دوسرے انسان ہمیشہ ان کے ظلم کی زد میں رہتے۔ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ وہ

> نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کو تم اس حال میں دیکھو کہ اس کے پاس مال و دولت بھی ہے اور وہ گناہ بھی بدستور کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کے عذاب کی زد میں ہے آج مارا گیا یا کل مارا گیا۔ گناہ اور برائی کے ساتھ دنیا کی نعمت بھی میل نہیں کھاتی اُخروی نعمت تو بہت زیادہ قیمتی ہے وہ اسے برائی کر کے کب حاصل ہوگی۔ دنیا کی نعمتیں دنیا کی دولت اگر برائی کے ساتھ جمع ہو جائیں تو حضورؐ فرماتے ہیں یہ بھی تباہی کی دلیل ہے۔ یہ آخری حجت ہے اس پر اللہ کی طرف سے۔

فرمایا:۔ یہ لوگ ظلم کرتے تھے۔ ظلم ہوتا ہے کسی بھی کام کو غلط انداز میں کرنا۔ ہم بعض عربی لفظ کو اردو کے معانی میں لے لیتے ہیں۔ بعض اردو الفاظ کو عربی معنی میں لے لیتے ہیں۔ عربی میں ظلم کا معنی جو ہے وہ ہے وضع الشیئ فی غیر محلہ کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کے اپنی جگہ نہ ہو۔ اسے ظلم کہتے ہیں۔ کوئی بھی چیز اٹھا کر آپ ایسی جگہ رکھ دیں جو اس کی جگہ نہیں ہے یہ ظلم ہے۔ تو کوئی بھی کام غلط ہو جائے تو اسے ظلم کہتے ہیں۔ یہ

کسی ظالم کو بھی ہمیشہ کے لیے ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کو مٹا دیا جاتا ہے۔

تو یہ ہوتا ہے انجام اور نتیجہ صرف ایک بات کا کہ انسان اپنے دل کی طرف توجہ نہ دے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے سیاہ ہو جاتا ہے اور سخت ہوتے ہوتے خدانخواستہ اتنی سختی اختیار کر لے کہ اس کی اصل خصوصیات جو ہیں وہ تبدیل ہو جائیں اتنی بڑی تباہی بھی آسکتی ہے۔ اللہ کریم اس سے محفوظ رکھے۔

Phone : 546734
Res: 448914

AL-BARKAAT ESTATES

Property Consultants/Advisors
Rent Purchase & Sales

Capt. (Retd.) Khurshid Ahmed

6, 13-C, 12th Commercial Street Opp. Highway Motors
Phase 2, Defence Housing Authority Karachi.

ٹیلیفون ۵۴۶۷۳۴
گھر ۴۴۸۹۱۴

البرکات اسٹیٹس

مشیرانِ جائداد

مکان، بنگلہ، کوٹھی کرایہ پر حاصل کرنے، خریدنے یا فروخت
کرنے نیز قطعات اراضی کے لیے ہم سے مشورہ کریں۔

کیپٹن (ریٹائرڈ)
خورشید احمد

۶، ۱۳، سی ۱۲، کمرشل سٹریٹ بالمقابل ہائی موٹرز،
فیز ۲- ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی،

میں اپنے جوگا کیتے ساں میرے مولا کرم کما چھڈیا
ایہہ صدقہ کملی والے دا میرا ہر اک عیب لکا چھڈیا

سب شرک و بدعت دور ہوئے جد آیا کملی والا سی
اس رہبر نے ہر سالک تے توحید دا رنگ چڑھا چھڈیا

نہیں وڑدا اوہ فیر باراں توں جس نال خدا دی ذات ہوئے
اک واری جنوں آقا نے آحد دا سبق پڑھا چھڈیا

میں نیڑے تیری شاہ رگ توں رب وچ قران دے کہندا اے
میرے آقا ایس حقیقت دا ایہہ پکا یقین دیوا چھڈیا

جو مشن سی کملی والے دا اوہنوں حضرت انج نبھایا اے
جو ملیا روضہ اطہر توں اوہ اگے فیض لٹا چھڈیا

بے ادباں وے سرداراں نوں منہ زوراں تے بدکاراں نوں
بس اک توجہ حضرت دی اک پل چہ ادب سکھا چھڈیا

اس دل تے وصوڑ گناہواں دی پئی چوکھے چر توں پیندی سی
اک جھاتی مرشد سوہنے دی میرے دل نوں کر صفا چھڈیا

جو رحمت رب دی منگدا اے اوہنوں لٹن دا وَل دسی جا
میرے شیخ محمد اکرم دے ایہہ رب تے ذمے لا چھڈیا

جو رہبر اے سب ولیاں دا اس دور دے اندر یار انجم
میں شکر خدا دا کرنا واں میںوں اوہدے ہتھ پھڑا چھڈیا

محمد مشتاق انجم

mundane benefits are of no consequence because Allah has given these to even those who do not believe in Him, His Prophet (SAW) and the aulia. They also enjoy the fruits of this life. So, it is not justified to identify truth with worldly gains. A retired captain from a nearby village renounced Islam and converted to Shiaism. Once, a friend of ours asked him the reason for this absurdity at the fag end of his life. He replied: "I won the local bodies election and became the chairman due to the blessings of my new religion". A passing by aged lady heard the dialogue and remarked:"You should have rather turned a Hindu, to succeed Indira Gandhi. If the flower of this world is the reward of religion, you should turn Hindu to deserve greater reward".

Wealth or comforts of this world are not the criteria of truth. The Holy Prophet (SAW) is reported to have said: "Had this world weighed equal to the wing of a gnat, Allah won't let a non-believer have a drop of water to drink. It carries no value with Him". All its comforts and miseries are temporary and momentary. But the states that descend from Allah on the hearts and the blessings which are acquired through the Holy Prophet (SAW) are everlasting and guarantee success both here and in the Hereafter. This should be viewed from two angles. First, we should identify the process of reformation initiated as a result of our association with any person, institution or school of thought. Secondly, if someone belongs to that category of people who do not get easily influenced, he should see others associated with that institution or person and look for any positive changes resulting from that association. If he finds that they are reformed but he himself remains unaffected, then he should critically analyze himself. Probably some of his failings preclude him from receiving those blessings. But if he finds no change in anyone, it is better to quit immediately. It will be sheer waste of time to continue an associated where sincerity of purpose, love of virtue and hatred for vice are missing. One has very little time, death is chasing every one born in this world. To die in search of truth entitles one to Allah's mercy because according to a Divine declaration anyone who migrates towards Allah will receive his reward whether he reaches the destination or dies enroute.

So first of all, one should purify one's intention and purpose. He must then set out in the cause of Allah and in search of truth and piety. The worldly comforts, if received, are insignificant byeproducts of this journey and should not be taken note of.The real valueable achievement is firm belief in the Divine Unity, the prophethood and life of the Hereafter. Practical life increasingly influenced by these beliefs will be an indication of the acquisition of blessings and beneficence from the Holy Prophet (SAW). One should not waste one's time with an association which does not lead to this achievement.

May Allah accept our humble efforts and grant us the capacity to be good and do good. Ameen.

would not preach his own prophethood but would follow the Holy Prophet Muhammad (SAW) and would also invite others to do the same. Till the return of Prophet Jesus (AS), the responsibility of preaching and preservation of Islam in its pristine purity has been entrusted to the aulia of this Ummah. Therefore, like his teachings, the blessings of the Holy Prophet (SAW) must also be and, in fact, have been preserved, from bosom to bosom, under a Divine arrangement. Just as one has to go to an institution or a scholar to learn his teachings, one has to similarly seek audience with a person carrying his blessings. But there ought to be a yardstick or a criterion to determine the genuineness of a particular institution or a person. The answer lies in the simple method of comparison of one's condition with those who received these blessings from the Holy Prophet (SAW) directly. His company completely reformed their lives, illuminated their hearts and infused in them love of the virtue and hatred for the vice.

These were the companions, the most pious group amongst the entire Ummah. Piety and companionship are synonymous. They stand at that acme of human excellence where all the virtues of a non companion pale into insignificance. They transmitted his blessings down the line and thus a chain of transmission survives in the Ummah till today and will so continue till the Doomsday. The company of any saint in that chain should produce a positive change within us. Not only our outward practical life be reformed but our inner-self (heart) should also be so imbibed as tc experience hatred for vice and love for the virtue. We should feel pleasure in doing good and if due to any human weakness we commit a sin, it should divest us of inner peace and tranquillity. Only that person, whose company, by Allah's grace, initiates such transformation would be a true saint. This indeed is the difference between a true and a psuedo saint. If one discovers an accomplished wali, one should stick to him like his shoe lace. The criterian, therefore, is neither the increase of wealth and status nor the attainment of other mundane benefits.

The universe and all its systems have been designed by Allah since antiquity. The total providence of every human being, encompassing all his wordly requirements, has also been divinely proportioned. No one can consume anybody else's providence nor can leave this world before completely consuming his own. Allah may increase some one's provisions to see if his wealth attenuates the clarity and strength of his relationship with his Provisioner. Similarly, He may straiten the provision of some one to see whether he returns to his Creator in adversity or seeks recourse to others. While He may alternate someone's condition between prosperity and adversity, His system is so perfect, smooth and flawless that it simply does not have any room for our suggestions. Human visitation to this world is ephemeral, whereas His system is operating since time immemorial and only He knows how long will it continue to function. It is the permanent, perfect system which affects the temporary visitor but not vice versa.

It is, therefore, incorrect to presume that we acquired wealth or health or wordly comforts in the company of Hadhrat (Rahmat Ullah Alaih). These

BLESSINGS OF THE EVERLASTING PROPHETHOOD

The Prophethood of the Holy Prophet Muhammad (*Sall Allah-o-alaihi-wa-sallam*) remains as effective till the last day of this world as on the first day of his raising. The beneficence emanating from him comprises of his teachings which form the basis of religious knowledge. This knowledge generates faith and is subsequently translated into conduct. Alongwith these teachings he also radiated invisible blessings which cannot be described in words. These blessings charged the hearts of the believers with firm belief and enlightened them forever. Those who partook both from these teachings and the blessings were indeed perfect Muslims. They received this beneficence directly from the Holy Prophet (SAW) and therefore occupy a unique status in the whole Ummah. His teachings and his blessings would be preserved in their pristine purity till the end of this world. No Body has any right to change the code of permission and prohibition defined by him. Similarly, in the realm of faith, his is the final word.

Nowadays people demand every reference from the Quran, without appreciating the source through which it reached us. After all who told us that it was the Divine Word and who read it over to us ? In fact, Quran is the perception of the Divine revelation by the Holy Prophet (SAW) alone. No body else can claim that he ever heard the revelation or saw and recognised the angel Gabriel. The Holy Prophet (SAW) is the only one to certify that Quran is the Word of Allah and not his own. His explanation and interpretation of the Quran is known as Hadith. The Quran states: "Nor doth he speak of (his own) desire (53:3).

It asserts that the Holy Prophet (SAW) did not speak a single word through the whisper of his soul. His conversation was always based on Divine revelation. In the case of Quran, both the words and meanings were revealed by Allah, while the meanings of Hadith were inspired by Allah and verbalized by the Holy Prophet (SAW). This explanation has the approval of the Holy Prophet (SAW) himself. Therefore it is not correct to demand the reference of everything from the Quran. On the other hand, it is equally improper to interpret the Quran without reference to the Hadith. Only that meaning of the Book would be considered authentic which was given by the Holy Prophet (SAW) and adopted by his companions. On this subject, he is the final authority.

Just as the teachings of the Holy Prophet (SAW) still continue to benefit mankind, so do his blessings. In the past, when the blessings of the earlier prophets waned with the passage of time, the faith of their followers weakened and they renounced their religion. This necessitated the raising of a new prophet to illuminate the hearts of people once again with his blessings. The blessings of the Holy Prophet (SAW) would neither wane nor fade but stay for ever like his prophethood, because no new prophet would be raised after him. Therefore, when Prophet Jesus (Alaihi Salam) (who is a born prophet), returns to this world, he

تصوّف کیا نہیں

تصوّف کے لیے نہ کشف و کرامات شرط ہے نہ دُنیا کے کاروبار میں ترقّی دِلانے کا نام تصوّف ہے، نہ تعویذ گنڈوں کا نام ہے نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دُور کرنے کا نام تصوّف ہے، نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوّف ہے، نہ قبروں پر سجدہ کرنے، ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوّف ہے اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوّف ہے نہ اولیاءاللہ کو غیبی نِدا کرنا، مشکل کُشا اور حاجت رَوا سمجھنا تصوّف ہے، نہ اِس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجّہ سے مُرید کی پُوری اِصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دَولت بغیر مجاہدہ اور بِدُون اِتباعِ سُنّت حاصل ہو جائے گی۔ نہ اِس میں کشف و اِلہام کا صحیح اُترنا لازمی ہے اور نہ وَجد و تواجد اور رقص و سرود کا نام تصوّف ہے۔ یہ سب چیزیں تصوّف کا لازمہ بلکہ عین تصوّف سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوّفِ اسلامی کا اِطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اِسلامی تصوّف کی عین ضد ہیں۔

(دلائل السُّلُوک)

جولائی ۸۹ء بمطابق ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ

ہماری مطبوعات

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

○ تصوف

- تعارف ———— ۵/- روپے
- دلائل السلوک ———— ۶۰/- روپے
- دلائل السلوک (اردو) ———— ۱۰۰/- روپے
- دلائل السلوک (انگریزی) ———— ۱۵/- روپے
- اسرار الحرمین ———— ۱۰/- روپے
- عقائد و کمالات علماء دیوبند ———— ۵/- روپے
- علم و عرفان

○ حیات بعد الموت

- سیف اویسیہ ———— ۱۰/- روپے
- حیاتِ برزخیہ ———— ۳۰/- روپے
- حیاتِ انبیاء ———— ۱۵/- روپے
- حیاتُ النبیؐ ———— ۱۵/- روپے

○ شیعیت ۔ تحقیقی مطالعہ:

- الدین الخالص ———— ۳۰/- روپے
- ایمان بالقرآن ———— ۲۵/- روپے
- تحذیر المسلمین ———— ۴۰/- روپے
- تفسیر آیاتِ اربعہ ———— ۱۰/- روپے
- تحقیق حلال و حرام ———— -/ روپے
- حرمتِ ماتم ———— ۱۰/- روپے
- ایجادِ مذہب شیعہ ———— -/ روپے
- شکست اعدائے حسینؓ ———— ۱۰/- روپے
- دامادِ علیؓ ———— ۲۰/- روپے
- بناتِ رسولؐ ———— ۱۰/- روپے
- الجمال والکمال ———— ۱۰/- روپے
- عقیدۂ امامت اور اس کی حقیقت ———— ۵/- روپے

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

- اسرار التنزیل حصہ اول ———— ۶۰/- روپے
- اسرار التنزیل (مجلد) حصہ دوم ———— ۱۰۰/- روپے
- دیارِ حبیبؐ میں چند روز ———— ۱۰/- روپے
- ارشاد السالکین (اول) ———— ۱۵/- روپے
- ارشاد السالکین (دوم) ———— ۵/- روپے
- ارشاد السالکین (انگریزی) ———— ۱۵/- روپے
- امیر معاویہؓ ———— ۱۰/- روپے
- راہیِ کرب و بلا ———— ۵/- روپے
- عصرِ حاضر کا امام ———— ۵/- روپے
- شیعہ مذہب کے بنیادی عقائد ———— ۵/- روپے
- حیاتِ طیبہ (انگریزی) ———— ۱۰/- روپے
- نور و بشر کی حقیقت ———— ۵/- روپے

پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے اسلامیات و عربی

- ذکر اللہ (عربی) ———— ۵/- روپے
- لغزشیں ———— ۱۰/- روپے
- اطمینانِ قلب ———— -/ روپے
- تصوف و تعمیرِ سیرت ———— ۱۵/- روپے
- کس لیے آئے تھے؟ ———— ۱۰/- روپے
- خدایا ایں کرم بارِ دگر کن ———— ۱۰/- روپے
- بزمِ انجم ———— ۲۰/- روپے
- دین و دانش ———— ۱۰/- روپے
- کونوا عباد اللہ ———— ۵/- روپے
- انوار التنزیل ———— -/ روپے
- مغالطے ———— ۱۵/- روپے

سول ایجنٹ ◎ **اویسیہ کتب خانہ** ○ غزنی سٹریٹ ○ الوہاب مارکیٹ ○ اردو بازار لاہور